فارسی بیں

(غالب کا منتخب فارسی کلام مع ترجمہ)

انتخاب : نیر مسعود

ترجمہ : یونس جعفری

ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

چہ ذوقِ رہ روی آں را کہ خار خارے نیست
مرو بہ کعبہ اگر راہ ایمنی دارد

ذوق: مسرت، خوشی، لذت۔ چہ ذوق: کیالطف ولذت۔ رہ روی: راہ روی: (از مصدر رفتن: جانا، چلنا)۔ جادہ پیائی، سفر۔ خار خارے: پراز خار، کانٹوں سے پر۔ مرو: فعل نہی (از مصدر رفتن: جانا، چلنا) مت جا۔ کعبہ: موٹث کعب: ابھری ہوئی چیز، ٹخنے کی ہڈی، چھوٹے پستان۔ اور کعبہ سے مراد اصل مکہ معظمہ کا وہ مقدس مقام "بیت اللہ" جس کی لوگ اکناف عالم سے زیارت کے لیے آتے ہیں۔ ایماں: محفوظ، بے خطر۔ ایمنی: امنیت، تحفظ۔

ایسا راستہ (سفر) چلنے میں کیا لذت جب راستہ (سفر) پر خار نہیں۔ اگر کعبہ کا راستہ بھی پر امن ہو تو اس کی زیارت کے لیے بھی نہ جا۔

توضیح: جن لوگوں نے ۱۹۴۶ء تک حجاز کا سفر کیا ہے ان کا یہ بیان ہے کہ کعبہ کے گردونواح اعرابی اکثر حجاج بیت اللہ کا مال چھین لیتے تھے۔ چناں چہ جو لوگ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوتے تھے انھیں تاکید کردی جاتی تھی کہ حدود کعبہ سے دور نہ جائیں اور اکیلے سفر نہ کریں۔ اس سے قبل فارسی زبان کے شعراء شیخ سعدی اور خاقانی شیروانی نے بھی اس روداد کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔

خوشم بہ بزم زِ اکرامِ خویش وزیں غافل
کہ مے نہ ماندہ وساقی فروتنی دارد

اکرام: (مصدر از باب افعال) بزرگی، بزرگواری، احترام، عزت، احسان، بخشش، بخشائش۔ زیں: ازیں: اس سے۔ غافل: بے خبر۔ مے: شراب۔ نہ ماندہ: (از مصدر ماندن: رہنا) نہیں رہ گئی ہے، نہیں بچی ہے۔ فروتنی: انکساری، عاجزی۔

محفل (بادہ نوشی) میں میں اکرام و بخشش پر تو خوش ہوں مگر اس بات سے بے خبر ہوں کہ اب شراب باقی نہیں رہ گئی ہے اور ساقی کی جانب سے عجز و انکساری کا اظہار ہو رہا ہے۔

بیاورید گر ایں جابود زباں دانے
غریبِ شہر سخن ھای گفتنی دارد

بیاورید: (از مصدر آوردن: لانا) لاؤ، نکال کر لاؤ۔ بیاورید گرایں جابود: یہاں (کوئی مائی کا لعل ہو تو) اسے نکال کر لاؤ۔ زبان دانے: کوئی زبان داں، کوئی ایسا شخص جو زبان کی باریکیوں سے واقف ہو۔ غریب: اجنبی، پردیسی، مسافر۔ گفتنی: (از مصدر گفتن: کہنا) کہنے کے قابل۔ یہاں مصدر "گفتن" میں حرف "ی" اظہار لیاقت کے لیے ہے۔

یہاں اگر کوئی زبان داں موجود ہو تو اسے نکال کر لاؤ اگر چہ یہ مسافر تمھارے شہر میں اجنبی ہے مگر اس کے پاس ایسے تپے کی باتیں ہیں جو تمھیں بتانے کے قابل ہیں۔

توضیح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقعے پر غالبؔ کسی ایسی محفل میں پہنچ گئے جہاں سب فارسی داں تھے۔ انھوں نے سوچا ہوگا کہ یہ شخص جس کی مادری زبان فارسی نہیں ہے ہمارے ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہے مگر غالب نے سر محفل ان سب کو للکارا کہ اگرچہ میں تمھارے درمیان اجنبی ہوں مگر میں فارسی زبان کے وہ آداب و رموز جانتا ہوں جس سے تم واقف نہیں ہو۔ اگر تم میں کوئی واقعی زبان دانی کا مدعی ہو تو میرے مقابل لاؤ تاکہ میں اسے وہ نکتے بتا سکوں جو کسی زبان داں کو آنے چاہئیں۔

~~~~~~~~~~

تو داری دین و ایمانے بترس از دیو نیرنگش
چو نبود توشۂ راہے چہ باک از رہزنم باشد

داری: (از مصدر داشتن: رکھنا) تو رکھتا ہے، تیرے پاس ہے۔ بترس: فعل امر (از مصدر ترسیدن: ڈرنا) تو ڈر، تو خوف کھا۔ دیو: شیطان۔ نیرنگش: نیرنگ اور اس کا فریب۔ توشۂ راہ: زادِ راہ، سامان سفر، وہ کھانا جو مسافر اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ باک: ڈر، خوف۔ از رہزنم: از رہزنِ مرا: مجھے رہزن سے، مجھے غارت گر سے۔

تیرے پاس تو دین و ایمان کا سرمایہ ہے تو اس لیے گھات لگائے دیو صفت غارتگر اور اس کے فریب سے ڈر۔ میرے پاس چوں کہ ذرا بھی زادِ راہ نہیں ہے اس لیے مجھے راہزن کا کیا خوف۔

توضیح: کہا جاتا ہے کہ شیخ عبداللہ اندلسی حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے راہ میں ان کا گذر
~~~~~~~~~~

ملک روم (موجودہ ترکی) سے ہوا جہاں وہ ایک ترسازادی (عیسائی لڑکی) پر عاشق ہوگئے اور اس کی خوشنودی کی خاطر خنزیر (سور) تک چرانے لگے۔ گویا راہ بیت اللہ میں ایک ترسازادی نے ان کے سرمایہ دین وایمان کو اپنی عشوہ گری سے تباہ و برباد کر دیا۔ مرزا غالب کو اس بات پر فخر ہے کہ جب ان کے پاس سامان سفر (دولت ایمان و دین) نام کی کوئی چیز ہی نہیں تو راہزن ان کا کیا بگاڑے گا اور ان سے کیا چھین لے گا۔ اسی لیے وہ بے خوف و خطر اپنی منزل کی جانب گامزن ہیں۔

~~~~~~~~~~~

لبم از زمزمۂ یادِ تو خاموش مباد
غیرِ تمثالِ تونقش ورقِ ہوش مباد

لبم: میرا لب، میرے ہونٹ۔ زمزمہ: نرم آواز میں نغمہ سرائی، ترنم۔ خاموش: ساکت۔ مباد: (از مصدر بودن: ہونا) کاش کہ ایسا نہ ہو۔ "مباد" میں حرف الف تمنائی ہے۔ دراصل یہ لفظ "مبواد" ہے جس میں سے حرف "واؤ" حرف علت ہونے کی وجہ سے گرا دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عام طور پر فارسی اہل لسان بے تکلف گفتگو کے دوران بہت سے ایسے لفظ جن میں حرف "واؤ" شامل ہو حذف کر دیتے ہیں۔ چناں چہ دوران گفتگو "گویہ" میں "گے" اور "خواہد" میں بس "خاہ" رہ جاتا ہے۔ غیر: علاوہ اس کے سوا۔ تمثال: نقاش کی ہوئی صورت، نقش و نگار سے مزین انسانی پیکر، عام طور پر بزرگانِ دین کی منقش تصاویر کو احتراماً تمثال کہا جاتا ہے۔ نقش: رنگین خطوط سے آراستہ تصویر۔ ورقِ ہوش: ایسا برگ کاغذ جسے دیکھ کر غش کھائے ہوئے انسان کے حواس درست ہو جائیں۔ نقش ورقِ ہوش: ایسا مرقع جسے دیکھ کر ہوش آجائے۔

میرے لب تیری یاد میں ترنم ریزی سے کبھی خاموش نہ ہوں۔ اور تیری تصویر کے علاوہ کوئی بھی موقع ایسا نہ ہو جسے دیکھ کر مجھے ہوش آئے۔

توضیح: مسلمانوں میں یہ عام رواج ہے کہ جب کوئی شخص مرض چشم سے شفا پا کر پہلی مرتبہ آنکھیں کھولتا ہے تو اسے نقش و نگار سے آراستہ ایسا ورق دکھایا جاتا ہے جس پر آیات، قرآنی یا کلمہ شہادت تحریر کیا گیا ہو۔ مرزا غالب نے اس شعر کا مضمون اسی رسم سے اخذ کیا ہے۔
~~~~~~~~~~~

غیر اگر دیده به دیدارِ تو محرم دارد
فارغ از اندهِ محرومیِ آغوش مباد

غیر: بے گانہ، اجنبی، نامحرم۔ محرم: ایسا شخص جس کے ساتھ نکاح حرام (ممنوع) ہو۔ فارغ: آسودہ، بے فکر، بے غم، خالی۔ اندہ: اندوہ، غم۔ محرومی: ناامیدی، مایوسی۔

اگرچہ اجنبی شخص کی آنکھ کو یہ اجازت نہیں کہ وہ تیرے چہرے کا دیدار کر سکے (اے کاش) وہ اس غم سے ابھی آسودہ نہ ہو کہ وہ تیری ہم آغوشی (کی نعمت) سے محروم (ناامید و مایوس) رہا۔

توضیح: واسوخت وہ صنف ادب ہے جس میں شاعر آزردہ خاطر ہو کر اپنے محبوب کا بدخواہ ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں بھی مرزا غالب نے اپنے معشوق کو یہ بد دعا دی ہے کہ غیر (نامحرم) کو تیرا چہرہ دیکھنے کی اجازت نہیں مگر وہ عقد نکاح کے بعد ہم آغوشی کی سعادت تو حاصل کر ہی سکتا ہے۔ اے کاش اس کے بعد بھی اسے یہ سعادت نصیب نہ ہو۔

ہمہ گر میوۂ فردوس بہ خوانت باشد
غالبؔ آں انبۂ بنگالہ فراموش مباد

فردوس: اوستا زبان کے لفظ "پیری دازا" (Pairi-Daeza) کا معرب۔ ایسا مدور باغ جس کے گرد احاطہ ہو۔ جنت، باغ۔ جمع فرادیس۔ خوانت: تیرا خوان، تیری سینی۔ انبہ: آم۔

غالب تیرے خوان پر خواہ جنت کے سارے ہی میوے موجود ہوں۔ مگر (اے کاش) تو بنگال کے اس آم کو کبھی نہ بھول سکے۔

توضیح: ضمیر "آں" میں اشارہ کسی خاص آم کی طرف ہے۔ لیکن یہاں مراد معشوق کے پستان سے ہے۔

~~~~~~~~~~~

سجادہ رہن مے نہ پذیرفت مے فروش
کایں رانسب بخرقۂ سالوس می رسد
~~~~~~~~~~~

سجادہ: وہ جگہ جس پر بار بار سجدہ کیا جائے، مصلّیٰ، جائے نماز۔ رہن: گروی۔ نہ پذیرفت: (از مصدر پذیرفتن: قبول کرنا) قبول نہیں کیا۔ مے فروش: بادہ فروش، شراب بیچنے والا۔ کایں رانسب: کہ ایں رانسب: کہ اس کا سلسلۂ خاندان۔ خرقہ: صوفیوں کا لباس، چولا۔ سالوس: ریاکاری، مکاری۔ می رسد: (از مصدر رسیدن: پہنچنا) پہنچتا ہے۔

بادہ فروش نے جائے نماز کو گروی رکھنا بھی اس لیے قبول نہ کیا کہ اس کا سلسلۂ خاندان ریا کاری کے چولے سے جا ملتا ہے۔

توضیح: یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تیمور کے جانشین اس کی طرح ایک طرف تو ظلم و ستم کا بازار گرم رکھتے اور دوسری طرف فقیروں اور درویشوں کے آستانے پر حاضری دیتے اور ان سے درخواست کرتے کہ وہ ان کی بقائے حکومت و دولت کے لیے دعا کریں۔ دربار میں علمائے دین کو اعلیٰ مراتب پر فائز کیا جاتا جو اپنے خطبات میں انھیں عادل، رعیت پرور، دین پناہ اور ظل اللہ (اللہ کا سایہ) وغیرہ جیسے القاب سے یاد کرتے۔ مگر حافظ شیرازی اور مرزا غالب اس بات پر متفق ہیں کہ درباری علماء جو کچھ ان ظالم و جابر بادشاہوں کی مدح و ستایش میں کہتے تھے وہ سب مکر و ریا پر مبنی تھا چناں چہ ایسے علماء کی بیش قیمت عبا و قبا کی شراب فروش کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی اور وہ اسے گروی رکھ کر شراب دینے کو تیار نہ تھا۔

~~~~~~~~~~

دریغا کہ کام و لب از کار ماند
سخن ہائے ناگفتہ بسیار ماند

دریغا: اے افسوس، ہائے افسوس۔ کام: منہ، دہان، تالو۔ از کار ماند: (از مصدر ماندن: رہنا) کام سے رہ گئے، کام کرتے کرتے تھک گئے، بولتے بولتے عاجز آ گئے۔ سخن ہا: جمع سخن، گفتگو، بات چیت۔ ناگفتہ: (از مصدر گفتن: کہنا) ان کہی، سخنہای ناگفتہ: وہ بات جو پوری نہ کہی گئی ہو، ادھوری بات۔ بسیار: بہت۔

ہائے افسوس! کہ میرا منہ اور میرے ہونٹ باتیں کرتے کرتے تھکے جا رہے ہیں (مگر اس کے باوجود) بہت سی باتیں ایسی تھیں جو بیان کرنے سے رہ گئی ہیں۔
~~~~~~~~~~

گدایم نہاں خانہ اے راکہ درو ے
در از بستگی ہا بہ دیوار ماند

گدایم: میں گدا ہوں، میں فقیر ہوں۔ نہاں خانہ: تاریک مکان، تہ خانہ، زمین دوز مکان جہاں لوگ گرمی کے موسم میں آرام کرتے تھے، قبر۔ نہاں خانہ اے: وہ نہاں خانہ، وہ کال کوٹھری۔ درو ے: جس میں۔ بستگی ہا: بندشیں۔

میں اس تاریک مکان کا فقیر ہوں جس کا دروازہ چندیں بندشوں کی وجہ سے دیوار جیسا لگتا ہے۔

توضیح: میں اس زیریں مکان (زندان) میں عرصہ دراز سے مقید چلا آرہا ہوں جس کے دروازے پر اس طرح بند پر بند لگائے گئے ہیں کہ اب وہ کبھی کھلتے ہی نہیں چناں چہ اس تاریکی میں یہی نہیں معلوم ہو تا کہ یہاں کوئی دروازہ بھی تھا اور میں در و دیوار کے درمیان کوئی فرق ہی محسوس نہیں کرتا۔

ادائے ست اورا کہ از دل ربائی
نہفتن زشوخی بہ اظہار ماند

ادائے ست: وہ ادا ہے، وہ ناز ہے۔ اورا: اس کا۔ دل ربائی: (از مصدر ربودن: چھین کرلے جانا، جھپٹ لینا) دل چھین لینے کا عمل۔ نہفتن: پوشیدہ رکھنا، چھپانا۔ شوخی: اصل معنی: گستاخی۔ اصطلاحی معنی: شرارت۔ اظہار: نمائش، نمود، نمایانی۔

دل کو اغوا کرنے کی اس کے پاس وہ (خاص) ادا ہے کہ جب وہ اسے چھپانا بھی چاہے تو شرارت کی وجہ سے ایسا لگتا ہے کہ معشوق اسے آشکار کر رہا ہے۔

توضیح: نہفتن و اظہار مفہوم کے اعتبار سے متضاد لفظ ہیں۔ شاعر نے انھیں ایک مصرعے میں استعمال کر کے صنعت تضاد پیدا کی ہے۔

چہ جویم مراد از شگرفے کہ اورا
نشستن زشنگی بہ رفتار ماند

جویم: (از مصدر جستن: ڈھونڈنا، تلاش کرنا) حاصل کروں۔ مراد: آرزو، تمنا،

خواہش۔ شگرفے: حیرت، حیرانی، خوبی و زیبائی کے اعتبار سے کمیابی و بے نظیری۔
نشستن: بیٹھنا۔ شنگی: شوخی، شرارت، زیبائی، چالاکی، تیز رفتاری۔

میں حیرانی کے باعث اس سے کیسے اپنے دل کی مراد پا سکتا ہوں۔ کیوں کہ شوخی و شرارت کے باعث اس کا ایک جا بیٹھنا بھی تیز چال کی مانند لگتا ہے۔

در آئینۂ ماکہ ناساز بختیم

خطِ عکسِ طوطی بہ زنگار ماند

ناساز: (از مصدر ساختن: بنانا) مخالف، ناموافق، ناسازگار۔ ناساز بختیم: ہم بد نصیب ہیں، ہم بد بخت ہیں، بد قسمت ہیں۔ خط: اصل معنی لکیر، یہاں اصطلاحی معنی نقوش، نقش و نگار۔ زنگار: زنگ۔

ہمارا بخت (نصیبہ) کبھی ہمارے موافق نہیں رہا۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ) ہمارے آئینے میں جو طوطی کے نقوش نمایاں ہوتے ہیں وہ بھی زنگ جیسے (سیاہی مایل سبز) معلوم ہوتے ہیں۔

توضیح: فارسی ادب میں "بلبل" کو عشق و محبت اور طوطی کو عقل و دانش کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فارسی شعر یا نثر میں جب بھی ہندوستان کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہاتھی اور طوطی کو عام طور پر نظر انداز نہیں کیا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ فارسی ادب میں طوطی ہمیشہ نایاب و بیش قیمت پرندہ رہا ہے۔ طوطی کو پڑھانے کا عام رواج یہ تھا کہ اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا جاتا تھا اور اس کی پشت پر یعنی جس طرف زنگ ہوتا ہے آدمی بیٹھ جاتا تھا اور طوطی کی بولی بولتا تھا۔ طوطی یہ سمجھ کر کہ اس کا ہمنشین بول رہا ہے تو وہ بھی اسی کی طرح بولنا شروع کر دیتا تھا۔ مرزا غالب فرماتے ہیں کہ ہمارے بخت کی نامساعدی کا یہ عالم ہے کہ جب ہمارے آئینے میں طوطی کا عکس نمایاں ہوتا ہے تو وہ اتنا گہرا سیاہی مایل سبز ہو جاتا ہے کہ آئینے کی پشت کے زنگ کی مانند لگتا ہے۔

زقحطِ سخن ماندم خامہ غالبؔ

بہ نخلے کز آور دنِ بار ماند

قحط: کال، کمیابی، خشک سالی۔ قحط سخن: شعر گوئی کا فقدان۔ ماندم: (از مصدر ماندن: مشل و مانند ہونا) میں مانند لگتا ہوں۔ خامہ: قلم، کلک۔ ماندم خامہ:

ظاہری معنی ہیں: میں قلم جیسا لگتا ہوں لیکن اس شعر میں اس کے معنی ہیں: میرا قلم لگتا ہے۔
نخل: کھجور کا درخت (فارسی زبان کے شعراء نے اس لفظ کو عام درخت کے معنی میں استعمال کیا ہے)۔ کز: مخفف کہ از۔ آوردن: لانا۔ بر آوردن: باہر نکالنا۔ بار: پھل۔

غالب! سخن گوئی کے فقدان کی وجہ سے میرا قلم اس درخت کی مانند ہو کر رہ گیا ہے جس میں اب پھل نہیں آتا۔

توضیح: اس شعر کے مصرعِ اول میں "ماندم خامہ" کی ضمیر متکلم "م" لفظ "خامہ" کی جانب راجع (لوٹتی) ہے۔ یہاں غالب کا مقصود یہ ہے کہ میرا قلم اس (نخل) کی مانند لگتا ہے جو اب سوکھ چکا ہے۔

~~~~~~~~~~

صاحب دل است و نامور عشقم به سامان خوش نه کرد
آشوبِ پید انگ او، اندوہِ پنہاں خوش نه کرد

صاحب دل: صاحبدل، عارف باللہ، خدا رسیدہ۔ آزاد منش، بے نیاز، مستغنی، من موجی۔ نامور: نام + ور: نام والا، مشہور و معروف، شہرۂ آفاق۔ سامان: ساز و برگ۔ آشوب: فتنہ، غوغا۔ پیدا: ظاہر، ہویدا۔ ننگ: ذلت، رسوائی، بدنامی۔ اندوہ: غم۔ پنہاں: پوشیدہ۔

میرا عشق اپنی مرضی کا مالک ہے اور شہرۂ آفاق۔ اس نے مجھے ساز و سامان سے خوش نہ کیا۔ اس کا ظاہر و عیاں، فتنہ و غوغا، اس کے لیے باعث رسوائی ہے اور غم میرے دل میں پنہاں مگر ان میں سے کسی نے اسے راضی و مطمئن نہ کیا۔ مولانا روم عشق سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

(اے عشق تو ہمارے فخر و غرور اور عزت و شہرت کی دوا ہے۔ تو ہی افلاطون ہے اور تو ہی جالینوس) یعنی عشق خود اپنی جگہ اتنا بڑا دانشمند ہے کہ اسے کسی طرح تسلی نہیں دی جا سکتی۔ اور خود ایسا مستغنی و بے نیاز کہ اسے کسی طور پر بھی چاہا نہیں جا سکتا۔
~~~~~~~~~~

آں خود بہ بازی می برد دیں را دو جومی نشمرد
بنمودمش دیں خندہ زد آوردمش جاں خوش نہ کرد

بہ بازی می برد: (از مصدر بردن: لے جانا) ہنسی ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ بازی بردن: کھیل میں جیت جانا، کھیل میں سبقت لے جانا۔ دو جوشمردن: دو جو کے برابر سمجھنا۔ بہت ارزاں، سستا، کم قیمت سمجھنا۔ بنمودمش: (از مصدر نمودن: دکھلانا، ظاہر کرنا) میں نے اس پر ظاہر و عیاں کیا۔ خندہ زد: (از مصدر زدن: مارنا) قہقہہ لگایا۔ آوردمش: (از مصدر آوردن: لانا) میں اس کے لیے جان لے کر آیا۔

دین کو تو وہ یونہی ہنسی دل لگی میں اڑا دیتا ہے، اور اس کی قدر و قیمت کو دو جو کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ میں نے اس کے سامنے دین پیش کیا، جسے دیکھ کر اس نے قہقہہ لگایا۔ میں اس کے لیے اپنی جان لے کر حاضر ہوا مگر جان نے بھی اسے خوش (مطمئن) نہ کیا۔

فریاد زاں شرمندگی کارند چوں در محشرم
گویند اینک خیرہ سر کز دوست فرماں خوش نہ کرد

فریاد: افسوس، صد افسوس۔ شرمندگی: خجالت، شرمساری۔ کارند: کہ آرند: (از مصدر آوردن: لانا) کہ جب لاتے ہیں۔ درمحشرم: مجھے محشر میں۔ گویند: (از مصدر گفتن: کہنا) کہتے ہیں۔ اینک: یہ دیکھو، دیکھو تو۔ خیرہ سر: خود سر، گستاخ۔ فرماں: حکم۔

افسوس صد افسوس اس خجالت و شرمساری پر کہ جب مجھے (فرشتے) میدان حشر میں لے کر آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ہے وہ گستاخ جس نے دوست کا حکم خوشی خوشی قبول نہ کیا۔

بامن میاویز اے پدر فرزند آزر رانگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دینِ بزرگاں خوش نہ کرد

بامن: مجھ سے، میرے ساتھ۔ میاویز: (از مصدر آویختن: الجھنا، جھگڑا کرنا، جنگ و جدال کرنا) مجھ سے مت الجھ، مجھ سے جھگڑا مت کر۔ پدر: باپ، والا۔ فرزند: بچہ (خواہ نرینہ یا مادینہ) مگر یہاں مراد پسر (بیٹا) ہے۔ آزر: حضرت ابرہیمؑ کے والد کا نام جو مورتیاں بنایا کرتے تھے۔ نگر: (از مصدر نگریستن: غور کرنا، دیکھنا، غور سے دیکھنا) غور

سے دیکھ۔ ہر کس: جو شخص بھی۔ صاحب نظر: اہل بینش، صاحب بصیرت، صاحب فہم و فراست، دانشمند۔ دینِ بزرگاں: آبائی مذہب۔

اے میرے باپ تو مجھ سے جھگڑا مت کر، آزر کے بیٹے کی طرف (غور سے) دیکھ جو شخص بھی صاحب بینش ہوتا ہے اس کو آبائی مذہب خوش (مطمئن) نہیں کرتا۔

توضیح: شیخ سعدی شیرازی کا مشہور مقولہ ہے "بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال" بزرگواری فہم و فراست میں بھی پختہ ہو۔ اس کی مثال حضرت ابراہیمؑ اور ان کے والد آزر کی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والدین کی اطاعت کرو اور اگر وہ تمہیں راہ کفر و شرک اختیار کرنے کی ہدایت دیں تو اسے قبول نہ کرو۔ چناں چہ حضرت ابراہیمؑ نے خداوند تعالیٰ سے باپ کی مغفرت کے لیے دعا تو کی مگر انھوں نے ان کے مسلک کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جس کے لیے انھیں سخت آزمایشوں اور صعوبتوں سے بھی گذرنا پڑا۔

غالبؔ به فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش که او
ننوشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نه کرو

فن: ہنر۔ گفتگو: (از مصدر گفتن) سخن، کلام۔ نازد: (از مصدر نازیدن: فخر کرنا) فخر کرتا ہے۔ بدیں: بہ دیں۔ ارزش: (از مصدر ارزیدن: قیمت رکھنا، مناسب قیمت کا ہونا) ننوشت: (از مصدر نوشتن: لکھنا) نہیں لکھا۔ دیواں: مجموعۂ اشعار۔ مصطفیٰ خاں: اشارہ ہے نواب مصطفیٰ خاں کی طرف جو اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔

غالبؔ کو ہنر سخن سرائی پر اس بنا پر فخر ہے کہ وہ قابل قدر و قیمت ہیں۔ چناں چہ وہ اپنے اشعار اس وقت تک مجموعۂ غزلیات میں شامل نہیں کرتا جب تک نواب مصطفیٰ خاں کو وہ مسرور نہیں کرتے۔

آں که از شنگی به خاموشی دل ازماسی برد
وائے گرچوں مازبانِ نکته پیوندش بود

آں که: وہ جو کہ۔ شنگی: شوخی، دلربائی۔ وائے: اے کاش۔ پیوند: پے وند:

وہ چیز جسے بعد میں جوڑا گیا ہے، جوڑ، وصلہ۔ نکتہ: باریک مسئلہ، لطیف جملہ۔ یہاں مراد زبانِ معشوق ہے جو نکتے کی طرح باریک ہے نکتہ پیوند: نکتے کی طرح سلے ہوئے ہونٹ۔ زبانِ نکتہ پیوند: ایسے شخص کی زبان جس کا دہان نکتے کی طرح باریک ہو اور دونوں لبوں کے درمیان باہم چسپاں۔

وہ جو اپنی شرارت سے چپ چاپ ہمارا دل چرا لے جاتا ہے اے کاش اس کی زبان جو نکتہ جیسے تنگ دہان میں بہم پیوستہ لبوں کے درمیان بند ہے ہمارے ساتھ (ہم کلام) ہوتی۔

توضیح: معشوق اگرچہ خاموش رہتا ہے مگر اس کے باوجود اس کی شرارت پنہاں نہیں ہوتی بلکہ ہمارے دل کو چرا کر لے جاتی ہے۔ ہائے افسوس (کیا ہی اچھا ہوتا) اگر اس کی زبان جو نکتے جیسی باریک دہان میں لبوں سے پیوستہ ہے ہماری طرح (گویا) ہوتی۔ بالفاظ دیگر شاعر کی یہ تمنا ہے کہ معشوق اپنے عاشق کو اس قابل سمجھتا کہ اس سے زبان ملا سکے (زبان ملانا ذو معنی ہے) مرکزی خیال حضرت امیر خسرو دہلوی کے مندرجہ ذیل مشہور شعر کے قریب ہے:

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم — چہ خوش بودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

(میرے دوست کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی نہیں جانتا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس کی زبان میرے منہ کے اندر ہوتی)

در ستم حق ناشناسش گفتن از انصاف نیست
آں کہ چندیں تکیہ برلطف خداوندش بود

درستم: جور و ظلم میں، جور و جفا۔ حق ناشناس: (از مصدر شناختن: تسلیم کرنا، قبول کرنا) حق کو تسلیم کرنے والا۔ بے مروت طوطا چشم، نمک حرام۔ انصاف نیست: درست نہیں ہے، حق گوئی سے بعید ہے۔ چندیں: کئی بار، بہت زیادہ۔ تکیہ: بھروسا، اعتماد۔ لطف: مہربانی، رحمت۔

جور و ظلم میں اسے ناشکر گزار کہنا حق گوئی نہیں، جس کا کئی گنا اعتماد اپنے خدا پر ہے۔

مرزا غالبؔ نے یہ خیال ہندوؤں کی مقدس کتاب گیتا سے اخذ کیا ہے کرشن جی نے جنگ مہابھارت کے موقع پر ارجن سے کہا تھا کہ تو سپاہی ہے جس کا فرض جنگ و جدال کرنا ہے۔ اور جو شخص اپنا فرض ادا کرتا ہے وہ فرمان خداوندی بجالاتا ہے۔ تو بھی خدا پر اعتماد کر اور اپنا

فرض انجام دے۔ چناں چہ فرض کی انجام دہی ظلم نہیں بلکہ سراسر انصاف ہے، گو دشمن اسے جور و ستم ہی کیوں نہ کہے۔

غالبا زنہار بعد از مابہ خونِ مامگیر
قاتلِ مارا کہ حاکم آرزو مندش بود

غالبا: اے غالب (اس لفظ میں حرف الف برائے ندا آیا ہے)۔ زنہار: ہر گز، کبھی نہیں۔ خوں گرفتن: خون کا بدلہ لینا۔ خون مامگیر: ہمارے خون کا مواخذہ مت کر۔ کہ: کیوں کہ۔ آرزومند: متمنی، خواہش رکھنے والا۔

اے غالب ہمارے بعد تو ہمارے قاتل سے ہمارے خون کا بدلہ مت لیجو، کیوں کہ حاکم (وقت) بھی چاہتا تھا۔

توضیح: مرزا غالب کہتے ہیں کہ قاتل نے ہمیں عمداً قتل نہیں کیا ہے بلکہ اس کا متمنی تو حاکم وقت تھا۔ اور اسی کے اشارے پر یہ کام ہوا ہے یا بقول سعدی شیرازی: چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی (جب کفر ہی کعبے سے پیدا ہو تو دین اسلام کہاں جائے گا) یعنی اگر حاکم ہی بے درد ہو تو مظلوم فریاد کون سنے گا۔

من بہ وفا مردم و رقیب بہ درزد
نیمہ لبش انگبین و نیمہ تبرزد

بہ درزد: (از مصدر زدن: مارنا) دروازے پر لگایا، دروازے پر چسپاں کیا۔ لبش: اس کا لب، اس کا چلو۔ انگبین: شہد۔ تبر: تیشہ۔ تبرزد: ایران میں مصری کے بڑے بڑے کوزے تمباکو کے پنڈی کی شکل کے دوکانوں پر فروخت کیے جاتے ہیں خواتین انھیں تیشے سے کاٹ کر چھوٹی چھوٹی ڈلیاں بنالیتی ہیں جو مہمان کو بغیر دودھ کی چائے کے ساتھ رکابی میں رکھ کر پیش کی جاتی ہیں۔ چوں کہ ان کوزوں کو تبر (تیشے) سے ہی توڑا جاسکتا ہے اسی لیے مصری کو اصطلاحاً تبرزد بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایران میں عام رواج ہے کہ جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو اس وقت جب کہ خطبہ نکاح پڑھا جاتا ہے سہاگن عورتیں دلہن کے سر پر چادر تان دیتی ہیں اور دوسری سہاگنیں مصری کے کوزوں کو ہاتھ میں لے کر

ایک دوسرے سے رگڑتی ہیں اور یہ عمل خطبہ نکاح کے اختتام تک جاری رہتا ہے (خطبہ نکاح دلہن کی موجودگی میں پڑھا جاتا ہے مگر قاری کی پشت دلہن کے چہرے کی طرف ہوتی ہے) گویا مصری کا استعمال اظہار خوشی کی خاطر کیا جاتا ہے۔

میں تو معشوق کے ساتھ پاس وفا کرتے کرتے مر گیا مگر رقیب نے آدھا چلو شہد اور نصف مقدار میں مصری کو دروازے پر رکھ دیا۔

توضیح: میں تو پاس وفا میں مر گیا مگر رقیب نے میری موت پر جشن منایا اور اظہار خوشی کے لیے اس نے دروازے پر شہد کے ساتھ مصری کی ڈلیاں رکھ دیں چناں چہ جو کوئی بھی وہاں سے گذرتا اس کی تواضع کرنے کے لیے اسے آدھا چلو شہد اور اتنی مقدار میں مصری کی ڈلیاں پیش کر دیتا ہے۔

~~~~~~~~~~

رسیده ایم به کوے تو ، جاے آں باشد
که عمر صرفِ زمیں بوسیِ قدم گروَد

رسیده ایم: (از مصدر رسیدن: پہنچنا) ہم پہنچ گئے ہیں۔ کوے: گذرگاہ، گلی۔ جاے آں باشد: یہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ زمیں بوسی: (از مصدر بوسیدن: چومنا) زمین چومنے کا عمل۔

ہم تیری گلی تک پہنچ گئے ہیں اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں ایک عمر تیری قدم گاہ کو بوسہ دیے جانے کی خاطر صرف کر دینی چاہیے۔

توضیح: آداب محفل میں یہ چیز شامل ہے کہ جب کوئی آدمی کسی محترم و بزرگ شخص کی خدمت میں حاضر ہو تو از روئے احترام یا بنا بر عقیدت اس صاحب عظمت شخص کے ساتھ آنکھ ملا کر بات نہ کرے بلکہ اس کے قدموں کی طرف ادب کے ساتھ نگاہ کیے رہے۔ غالب نے بھی یہاں اپنے محبوب کے قدم کی برکت کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ محبوب کی قدم گاہ وہ مقدس جگہ ہے جسے تمام عمر چومتے ہی رہنا چاہیے تاکہ اس کے فیضان سے سعادت جاودانی حاصل ہو سکے۔

~~~~~~~~~~

گفتن سخن از پایۂ غالبؔ نہ زہوش است
امروز کہ مستم خبرے خواہم ازوداد

گفتن: کہنا، بتانا۔ سخن: گفتگو، بات چیت، شاعرانہ کلام۔ پایہ: مرتبہ۔ مستم: میں مست ہوں۔ ازو: ازاو: اس کے بارے میں۔

مرتبہ غالبؔ کے بارے میں گفتگو کرنا عقل و خرد کی بات نہیں۔ آج چوں کہ میں مست ہوں (اس لیے) اس کے بارے میں میں (تمھیں) اطلاع دوں گا۔

توضیح: عقل و خرد سے برتر مقام عقیدت، اس سے بالاتر مقام والہانہ محبت اور اس سے بھی عالی مرتبہ جنون کا ہے۔ جن کو لوگ دیوانہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں ان لوگوں کو یہ دیوانہ کم فہم، دنیادار سمجھ کر ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اہل ہوش و خرد بعض باتیں بنا بر مصلحت نہیں کہہ سکتے چوں کہ اس سے انھیں نقصان کا خدشہ لگا رہتا ہے مگر دیوانے ان سب توقعات سے بے نیاز بے لاگ بات کہہ جاتے ہیں۔ چناں چہ غالب کا عرفان میں کیا مرتبہ ہے اسے اہل ہوش نہیں جانتے بلکہ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عقل و شعور سے بالا تر ہو کر عالم مستی میں پہنچ گئے ہیں اور وہی لوگ اس عارف شاعر کے بارے میں بحالت مستی حقیقت بیان کر سکتے ہیں۔ عشق و عرفان میں میرزا غالب کا کیا مرتبہ تھا اسے مولانا جلال الدین رومی کے اس شعر سے عیاں کیا جا سکتا ہے:

محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست — مر زباں را مشتری جز گوش نیست

(یہ ہوش کی باتیں ہیں اور انھیں بے ہوش کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔ ہاں بالکل اسی طرح جیسے زبان کی بات کا طالب سوائے کان کے کوئی اور نہیں)

~~~~~~~~~~

تو نالی از خلۂ خار و ننگری کہ سپہر
سرِ حسینِ علی برسناں بگرداند

نالی: (از مصدر نالیدن: رونا) تو روتا ہے۔ خلد: (حاصل مصدر از خلیدن: کھٹکنا، چبھنا) کھٹک، چبھن۔ ننگری: (از مصدر نگریستن: غور کرنا) تو غور سے نہیں دیکھتا، تو غور نہیں کرتا۔ حسینِ علی: (بہ اضافت حرف نون) حسین ابن علی، حسین
~~~~~~~~~~

فرزند علی۔ سنان: برچھی۔ بگرداند: (از مصدر گردانیدن: گھمانا) گھماتا ہے۔

تو کانٹے کے کھٹک (چبھن) سے روتا ہے اور (اس واقعے کے بارے میں) غور نہیں کرتا کہ آسمان حضرت علی کے فرزند حضرت امام حسین کے سر کو نیزے کی نوک پر رکھ کر اسے چاروں طرف گھماتا ہے۔

توضیح: حضرت امام حسین نے میدانِ کربلا میں جو مصائب برداشت کیے وہ عام انسان کو درس شکیبائی دیتے ہیں۔ یہ دنیا دشت کربلا ہے جہاں آسمان ہر وقت انسانوں کو ایذا پہنچاتا رہتا ہے۔ اگر انسان حضرت امام حسین کے درد والم کو یاد کرے تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ آپ کے درد و کرب کے مقابلے اس کے بدن میں خلشِ خار تکلیف کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

برو به شادی و اندوه دل منه که قضا
چو قرعه برنمطِ امتحان بگرداند

برو: (از مصدر رفتن: جانا) جا۔ دل منه: (از مصدر نہادن لگنا) دل نہ لگا، تکیہ نہ کر، بھروسہ مت کر۔ قرعه: پانسا۔ نمط: روش، طریقہ۔

جا (اور اپنا کام کر) خوشی و غمی پر تکیہ مت کر۔ کیوں کہ قضا (آسمان سے اترنے والی بلا) آزمائش کے طور پر اسی طرح قرعہ اندازی کرتی رہتی ہے۔

توضیح: حافظ شیرازی کی طرح مرزا غالبؔ بھی اس خیال کے حامل ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اور اسے کس چیز پر ذرا اختیار نہیں۔ گردش آسمانی لوگوں کو پھانسنے کے لیے اپنے پانسے پھینکتی رہتی ہے چناں چہ کسی کو علم نہیں کہ وہ کب اور کس طرح اس کے چنگل میں آ جائے۔

یزید را به بساطِ خلیفه بنشاند
کلیم را به لباسِ شبان بگرداند

یزید: امیر معاویہ کے فرزند کا نام جس کے ایماء پر حضرت امام حسین کو شہید کیا گیا۔ بساط: فرش، قالین، نہالچہ۔ خلیفه: جانشین پیغمبر۔ بساطِ خلیفه: مسند خلافت۔ بنشاند: (از مصدر نشادن: بٹھانا) بٹھاتا ہے۔ کلیم: کلام کرنے والا، گفتگو کرنے والا، حضرت موسیٰ کا لقب۔ شبان: چرواہا۔

(آسمان اپنی گردش سے) یزید (جیسے شقی و ظالم شخص) کو مسند خلافت پر بٹھاتا ہے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو چرواہے کے لباس میں گھماتا رہتا ہے۔

توضیح: گردش لیل و نہار کے ہاتھوں یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ ذلیل و پست لوگ اعلیٰ مراتب حاصل کریں اور قابل احترام باعزت افراد ادنی کام کرنے پر مجبور ہوں۔

بقول مولانا جلال الدین رومی:

گہ چنیں بنماید و گہ ضد ایں ‌ ‌ جز کہ حیرانی نباشد کار دیں

(کبھی ایسا نظر آتا ہے اور کبھی اس کے برعکس، غرض دین کا کام حیرانی کے سوا کچھ نہیں)

~~~~~~~~~~

داغِ دلِ ماشعلہ فشاں ماند بہ پیری
ایں شمع شب آخر شد و خاموش نہ کردند

داغ: (لفظی معنی) دھبہ، نشان (اصطلاحی معنی) غم۔ داغ دل ما: ہمارے دل کا غم۔ شعلہ: آگ کی لپٹ۔ شعلہ فشاں: شعلہ افشاں (از مصدر افشاندن: جھاڑنا، چھڑکنا، بکھیرنا) شعلے بکھیرتا ہوا۔ ماند: (از مصدر ماندن: رہنا) رہا۔ پیری: بڑھاپا۔ خاموش نہ کردند: انھوں نے بجھایا نہیں۔

ہمارے دل کا داغ (دل کا ارمان) بڑھاپے کی عمر میں بھی شعلہ افشانی ہی کرتا رہا۔ رات آخر ہوئی مگر شمع کو (کسی نے) بجھایا نہیں۔

توضیح: عہد پیری میں اگرچہ جسمانی توانائی تو سلب ہو جاتی ہے مگر ہوا و ہوس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ میرزا غالب کو اس بات کا افسوس ہے کہ پیری آگئی مگر دل کے ارمان ابھی جوان ہیں جو جوالہ بن کر نکلتے رہتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس آخری عمر میں ہم تائب ہو جاتے مگر ایسا نہ ہوا کیوں کہ قضا و قدر نے ہمارے ارمانوں کی شمع کو خاموش نہیں کیا گویا یہ ارمان اب شعلہ فشاں تو نہیں البتہ اب شمع کی لو بن کر رہ گئے ہیں مگر بہر صورت ابھی روشن ہیں۔

بقول حافظ شیرازی:

چہ ساز بود کہ بنواخت دوش آں مطرب ‌ ‌ کہ رفت عمر و دماغم ہنوز پر زہواست
~~~~~~~~~~

(وہ کون سا ساز تھا جسے کل موسیقار نے بجایا تھا۔ کہ عمر ختم ہوئی مگر میرا دماغ ابھی تک اسی خیال ہو او ہوس سے پر ہے)

تاجرِ شوق بداں رہ بتجارت نرود
کہ رہ انجامد و سرمایہ بغارت نرود

شوق: (لفظی معنی) آرزو، تمنا، اشتیاق۔ (اصطلاحی معنی) تعلق، عشق و علاقہ۔ بداں: بہ آن۔ بداں رہ: اس راہ پر۔ انجامد: (از مصدر انجامیدن: تمام ہوتا، ختم ہو جانا) ختم ہو جاتی ہے۔

(میرے) شوق کا سوداگر اس راستے پر تجارت کے لیے نہیں جاتا جہاں راستہ تو اپنی انتہا کو پہنچ جائے مگر کوئی راہزن مال تجارت کو غنیمت سمجھ کر اپنے ساتھ نہ لے جائے۔

توضیح: بظاہر میرزا غالب یہاں عرفی شیرازی کے اس شعر سے متاثر نظر آتے ہیں:

اے متاع درد در بازار جاں انداختہ
گوہر ہر سود درجیبِ زیاں انداختہ

(اے خداوند تعالیٰ! تو نے درد (عشق) کے سرمایے کو جان کے بازار میں لگا دیا (اور) فائدے کے لعل و جواہر کو تو نے نقصان کے گریباں میں ڈال دیا)۔

تاجر اپنے سرمایے میں اضافہ کرنے کی خاطر تجارت کے لیے نکلتے ہیں مگر عاشقان صادق اپنا سرمایہ محبوب حقیقی کی راہ میں خرچ کرنے کی غرض سے سفر تجارت اختیار کرتے ہیں۔ چناں چہ حضرت بابا نانک بھی تجارت کے لیے گھر سے نکلے تھے مگر کل سرمایہ درویشوں میں تقسیم کر کے واپس گھر آگئے۔ اس عاشق صادق کے زیاں میں کیا سود پنہاں تھا وہ آج ہر عارف پر عیاں ہے اور ان کے عقیدت مند ہر جگہ موجود ہیں۔

از حیا گیر، نہ از جور، گرآں، مایۂ ناز
کشتۂ تیغِ ستم را بہ زیارت نرود

گیر: (از گرفتن) فرض کر، محمول کر۔ از حیا گیر: شرم پر محمول کر۔ جور: ستم، ظلم۔ مایۂ ناز: وہ ہستی جس پر فخر کیا جاسکے۔ کشتہ: (از مصدر کشتن: قتل کرنا، مارنا) مارا ہوا۔ کشتہ تیغ ستم: ظلم کی تلوار سے مارا ہوا۔ زیارت: ملاقات۔

اگر وہ مایۂ ناز (معشوق) اس شخص کو دیکھنے کے لیے نہ جائے جو اس کی تیغ ستم سے مارا گیا ہو تو اسے اس کے جور و ستم پر نہیں بلکہ اس کی شرم و حیا پر محمول کر۔

~~~~~~~~~~

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
هر جا کنیم سجده بدآں آستاں رسد

مقصود: مراد، مدعا۔ دیر: بت خانہ۔ حرم: ایسی چہار دیواری جس کے اندر کا حال باہر والوں کو معلوم نہ ہو۔ ایسی جگہ جہاں آدمی عقیدت سے جاتا ہو، کعبہ۔ جز: سوائے، علاوہ۔ حبیب: ایسا دوست جس کے ساتھ جنسی تعلق نہ ہو، مخلص دوست، یہاں مراد ذات باری تعالیٰ سے ہے۔ آستاں: چوکھٹ، دہلیز۔

کعبے اور بت خانے کے آگے جھکنے سے ہمارا مدعا حقیقی دوست تک رسائی حاصل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ہم سجدہ خواہ بت خانے کے آگے کریں یا خواہ حرم کی جانب بالآخر ہمارا سجدہ اسی آستانے کی جانب پہنچتا ہے۔

توضیح: دنیا میں مسجد خواہ کہیں بھی بنے مگر اس کا رخ ہمیشہ کعبے کی جانب ہی ہوگا۔ چناں چہ جب مسجد میں سجدہ کیا جاتا ہے تو یہ سجدہ کعبے کی جانب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی پجاری، مورتی کے آگے ماتھا ٹکائے تو یہ سجدہ بھی مورتی کے واسطے سے دوست حقیقی یعنی خدا وند تعالیٰ کے لیے ہی ہوگا۔ بالفاظ دیگر عاشقان خدا، دین و مذہب سے بالاتر ہو کر اپنے دوست حقیقی کے آگے جبیں سائی کرتے ہیں، ان کے لیے مسجد اور مندر یا دیر و کنشت میں کوئی فرق او امتیاز باقی نہیں رہ جاتا۔

در دام بہرِ دانه نیفتم مگر قفس
چنداں کنی بلند که تا آشیاں رسد

دام: شکاری کا جال۔ بہرِ دانہ: چوگے کے لیے۔ نیفتم: (از مصدر افتادن: گرنا،
~~~~~~~~~~

پڑنا) میں نہیں گرتا۔ مگر: الا، لیکن۔ چنداں: اس قدر، اتنا زیادہ۔ بلند کردن: بلند کرنا، اونچا کرنا۔ بلند کنی: تو اونچا کرے۔ رسد: (از مصدر رسیدن: پہنچنا)۔

میں دانے کی خاطر جال پر ہرگز نہیں گرتا الا یہ کہ اسے تو اتنا اونچا کرے کہ وہ (میرے) آشیانے تک پہنچ جائے۔

توضیح: کہتے ہیں کہ پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے نا کہ کنواں پیاسے کے پاس آئے۔ مرغ طبع شاعر کی استغناء و بے نیازی کا یہ عالم ہے کہ وہ دانے کی جانب ہرگز رغبت نہیں کرتا بلکہ دام (جال) خود اس کے پاس سائل بن کر آتا ہے۔ اور جب وہ دست سوال دراز کرتا ہے تو اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ دست خالی جائے۔ چناں چہ وہ اسے خیرات میں کچھ چیز دینے کی بجائے خود اپنے وجود کو اس کے حوالے کر دیتا ہے تا کہ سائل شکستہ دل و آزردہ خاطر واپس نہ ہو۔

~~~~~~~~~~~

جوہرِ طبعم درخشاں است لیک
روزم اندر ابرِ پنہاں می رود

جوہر طبع: ذاتی خصوصیت، انسان کی باطنی شخصیت۔ جوہر طبعم: میری طبیعت کا جوہر، میری فطرت ذاتی، (میری استعداد شعر گوئی)۔ درخشاں: (از مصدر ارخشیدن: چمکنا) روشن، تاباں۔ لیک: لیکن۔ روز: دن، مگر غالب نے اس شعر میں بہ معنی خورشید آفتاب استعمال کیا ہے۔ روزم: (لفظی معنی) میرا دن، (اصطلاحی معنی) میرا بخت، میری تقدیر۔ ابر: بادل۔ پنہاں: پوشیدہ، چھپا ہوا۔

اگرچہ میری طبیعت کا جوہر (استعداد شعر گوئی) روشن و تاباں ہے لیکن میری تقدیر کا روز روشن بادلوں میں پوشیدہ گذر جاتا ہے۔

توضیح: میرزا غالب اس بات سے بخوبی باخبر تھے کہ وہ جس دور میں پیدا ہوئے ہیں وہ ان کے لیے قطعی ناموزوں و ناساز گار ہے۔ اگر وہ عہد اکبری (۱۶۰۵۔ ۱۵۵۶) سے دور شاہجہانی (۱۶۶۱۔ ۱۶۲۸) کے درمیان پیدا ہوئے ہوتے تو ان کا شمار غزالی، شہدی، عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری، کلیم کاشانی اور صائب تبریزی جیسا شعراء کی صف میں ہوتا۔
~~~~~~~~~~~

مغلوں کے عہد حکومت میں ایرانی اور تورانی امراء کے درمیان ہمیشہ سیاسی چشمک رہی جوان کے زوال کے ساتھ ادب میں بھی سرایت کرنے لگی۔ غالب ترک تھے وہ اپنے آباو اجداد کی طرح اسی اسلوب میں شعر کہتے جو ماوراءالنہر یعنی غالب کے آبائی وطن میں مروّج تھا۔ اس کے برعکس ایرانی امراء اس مکتب کی پیروی کرتے جو اصفہان میں رائج تھا۔ اور بعد میں لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ غالب جس زمانے میں زندہ رہے اس وقت ایرانی امراء کا طوطی بول رہا تھا اسی لیے انھوں نے غالب کے اسلوب ماوراءالنہری کو پسند کی نگاہ سے نہ دیکھا جس کا غالب نے اس شعر میں شکوہ کیا ہے البتہ وہ امراء جو ماوراءالنہری اسلوب شعر گوئی کو پسند کرتے تھے انھوں نے حیدر آباد میں حکومت قائم کرلی۔ اگر غالب نے اس دیار کا سفر اختیار کر لیا ہوتا تو یقیناً ان کی وہاں ایسی ہی قدر و منزلت ہوتی جیسے داغ دہلوی کی ہوئی۔

~~~~~~~~~~

بتان شہر ستم پیشہ شہر یاراں اند
که درستم روش آموز روز گاراں اند

بتاں: جمع بت (لفظی معنی)، مہاتما بدھ کی مورتی جسے ان کے عقیدت مند انتہائی حسین و دل کش بناتے تھے اور اب بھی بناتے ہیں۔ (اصطلاحی معنی) معشوق، حسین و دل کش چہرے والے۔ شہر: ملک (فردوسی کے عہد میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے)۔ ستم پیشہ: جس کا کام ہمیشہ ظلم و جور کرنا ہو۔ شہر یاراں: جمع شہریار، (لفظی معنی) محافظ شہر، محافظ ملک، (اصطلاحی معنی) بادشاہ۔ روش: (حاصل مصدر از رفتن) طریقہ، راہ۔ روش آموز: (از مصدر آموختن: سیکھنا، سکھانا) طریقہ سکھانے والا، مدرس۔ روز گاراں: جمع روزگار۔ اہل زمانہ، زمانے کے لیے، بہت سے لوگ۔

اس ملک کے بت (حسین) ایسے فرمانروا ہیں جن کا کام ہی ظلم و جور کرنا ہے کیوں کہ یہ ایک زمانے کو یہی طریقہ (ظلم و جور) سکھانے والے ہیں۔

توضیح: میرزا غالب نے "درس آموز" کی طرح ترکیب "روش آموز" وضع کی ہے اور اسے مدرس یا استاد کے معنی میں استعمال کیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں جتنے بھی حسین موجود ہیں وہ سب کے سب جور پیشہ حکمراں ہیں۔ اور دوسروں کو بھی طریقہ (درس) سکھاتے ہیں۔ چناں چہ اس فن میں ایک دو کے نہیں بلکہ ایک زمانے کے وہ استاد ہیں۔
~~~~~~~~~~

برند دل به ادائے که کس گماں نه برد
فغاں زپردہ نشیناں که پردہ داراں اند

برند: (از مصدر بردن: لے جانا) لے جاتے ہیں۔ گماں بردن: شک کرنا۔ گماں نه برد: کوئی شک نہیں کرتا۔ فغاں: ہائے افسوس، فریاد۔ پردہ نشیناں: جمع پردہ نشیں: (از مصدر نشستن: بیٹھنا) پردے میں بیٹھنے والے۔ پردے والی۔ پردہ داراں: جمع پردہ دار: (از مصدر داشتن: رکھنا) پردے میں رکھنے والا، راز کو چھپانے والا، پردہ کرنے والا، پردہ کا پابند۔

یہ حسین چہرہ (لوگ) اس ادا سے دل لے جاتے ہیں کہ کسی کو ان پر شک تک نہیں گزرتا۔ فریاد ہے ان پردہ نشینوں سے (کہ یہ خوب اپنے) راز کی پاسداری کرتے ہیں۔

توضیح: پردہ دار (پردہ کرنے والا) اور پردہ نشیں (پردے میں رہنے والا) تراکیب تقریباً ہم معنی ہی ہیں مگر غالب نے دونوں کے درمیان فرق پیدا کیا ہے۔ پردہ نشیں وہ خواتین ہیں جو سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد نامحرم کے سامنے نہ آئیں اور پردہ دار بھی انھیں ہی کہا جاتا ہے جو غیروں سے پردہ کریں۔ مگر میرزا غالب نے اسے "رازدار" کے معنی میں استعمال کیا ہے یعنی ان حسین دوشیزاؤں میں یہ وصف ہے کہ یہ پردے کے پیچھے رہتے ہوئے بھی عاشق کا دل چرالیں اور کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے دیں۔

به جنگ تاچه بود خوے دلبراں کایں قوم
درآشتی نمکِ زخمِ دل فگاراں اند

چه بود: کیا ہوگا، کیا ہوگی۔ خو: عادت، خصلت۔ دلبراں: جمع دلبر: (از مصدر لے جانا) جو دل کو لے جائے، معشوق۔ کایں قوم: که ایں قوم: کہ یہ طائفہ۔ آشتی: صلح۔ دل فگاراں: جمع دل فگار: جس کا دل چاک چاک ہو، جس کا دل زخموں سے چور ہو۔

لڑائی میں (نہ جانے) ان دلبر حسینوں کی کیا عادت ورفتار ہوگی کیوں کہ صلح و آشتی میں بھی اس طائفے کے افراد کی یہ خصلت ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر جو زخموں سے چھلنی ہیں نمک کا کام کرتی ہے۔

توضیح: شاعر کی حیرت بجا ہے، جن لوگوں کے میل ملاپ میں یہ کیفیت ہے کہ بات کریں تو گویا زخموں پر نمک پاشی کریں اور اگر کہیں یہ جنگ و جدال پر اتر آئیں تو معلوم نہیں عاشقانِ زار کے دلوں پر کیا گذرے گی۔

زوعدہ گشتہ پشیماں و بہرِ دفع ملال
امید وار بہ مرگِ امید واراں اند

پشیماں: شرمندہ، پچھتایا ہوا۔ دفع: دوری۔ ملال: رنج، افسوس۔ امیدوار: آرزو مند۔

(جن لوگوں نے) ملاقات کا وعدہ کیا تھا اب وہ اس پر نادم ہیں چناں چہ اپنی ندامت کو دور کرنے کے لیے وہ ان کی موت کے آرزو مند ہیں جو ان سے ملاقات کی آس لگائے ہوئے ہیں۔

زچشم زخم بدیں حیلہ کے رہی غالبؔ
دگر مگو کہ چومن در جہاں ہزاراں اند

چشم زخم: نظر بد، بری نظر۔ بدیں حیلہ: بہ ایں حیلہ: اس بہانے سے۔ کے: کب۔ رہی: (از مصدر رہیدن: نجات پانا، چھٹکارا پانا، آزاد ہونا)۔ دگر مگو: اس کے بعد مت کہہ، پھر مت کہنا۔ چومن: مجھ جیسے، میرے مانند۔ ہزاراں اند: ہزاروں ہیں۔

غالبؔ تو حیلہ و بہانہ بنا کر کب (حاسدوں کی) نظر سے بچ سکتا ہے (اب) تو یہ مت کہا کر کہ مجھ جیسے اس دنیا میں ہزاروں ہیں۔

توضیح: غالبؔ کو احساس تھا کہ وہ اپنے افکار و اشعار کی روانی و شیرینیِ بیان کی بنا پر معاصرین میں یکتا و یگانہ ہیں۔ چناں چہ حاسدوں کی نظر بد سے بچنے کے لیے وہ از روئے عجز و انکسار یہی کہا کرتے تھے کہ میں ہی تنہا شخص نہیں ہوں بلکہ مجھ جیسے اس دنیا میں ہزاروں (شاعر) موجود ہیں۔

اندر آں روز کہ پرسش رود از ہرچہ گذشت
کاش باما سخن از حسرتِ ما نیز کنند

اندر آں روز: جس دن میں۔ پرسش: (از مصدر پرسیدن: پوچھنا) جواب طلبی۔ پرسش رود: احوال پرسی ہوگی، جواب طلبی کی جائے گی۔ از ہرچہ گذشت: (از مصدر گذشتن: گذرنا، بیتنا) جو کچھ بیت گئی، جو گذر گئی۔ کاش: کیا ہی اچھا ہو۔ حسرت: آرزو، تمنا، کسی آرزو کے پورا نا ہونے پر ملال۔

(اس دنیا میں) جو کچھ گذرا اس کے بارے میں جس دن باز پرس ہوگی (اس دن) اے کاش، ہم سے یہ بات بھی کریں کہ وہ کیا آرزو (حسرت) تھی جو پوری نہ ہوئی۔

از درختانِ خزاں دیدہ نہ باشم کانیہا
ناز برتازگیِ برگ ونوا نیز کنند

خزاں دیدہ: خزاں کا مارا ہوا۔ نہ باشم: میں نہیں ہوں۔ کانیہا: کہ ایں ہا: کہ یہ سب۔ برگ و نوا: سازو سامان۔

میں ان درختوں میں سے نہیں ہوں جو خزاں کا موسم دیکھ چکے ہوں کیوں کہ یہ سب اس بات پر فخر وناز کرتے ہیں کہ انھیں تازہ سازو سامان ملا ہے۔

توضیح: قانون قدرت ہے کہ خزاں کے موسم میں ہر درخت برگ و گل سے عاری ہو جاتا ہے مگر سرو کے درخت پر موسم کی اس تبدیلی کا کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ ہر موسم میں سبز پوش ہی رہتا ہے۔ جو میرزا غالب کی نظر میں اس کی بردباری کی علامت ہے۔ اس کے برعکس موسمِ بہار میں درختوں پر نئے پتے لگتے ہیں باد بہاری چلتی ہے تو پتے جنبش ہوا سے جب لہراتے ہیں تو ان میں صدا پیدا ہوتی ہے جو شاعر کی نظر میں ان کی کم ظرفی کی دلیل ہے، یعنی نیا لباس پاکر وہ اپنی حیثیت کو بھول جاتے ہیں اور تبدیلی پر اترانے لگتے ہیں۔ اس موضوع پر حکایت فارسی میں بھی موجود ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ کس طرح کدو کی بیل بہار کے موسم میں سرو کے درخت پر چڑھ گئی اور پوچھنے لگی کہ تیری کیا عمر ہے۔ سرو نے کہا کہ چالیس سال۔ اس پر کدو کی بیل کو حیرت ہوئی اور کہنے لگی عجیب بات ہے کہ تو چالیس سال سے ایک ہی حالت پر قائم ہے، مجھے دیکھ کہ میں چالیس دن میں کہاں پہنچ گئی۔ اس پر سرو نے کہا کہ ذرا گرمی کا موسم آنے دے تب دیکھیں گے۔ چناں چہ گرمی کا زمانہ آیا۔ کدو کی بیل تو جل کر خاک ہو گئی اور سرو بدستور سابق اپنی جگہ قائم رہا۔

حلقِ غالبؔ نگر و دشنۂ سعدی که سرود
خوبرویانِ جفاپیشه وفا نیز کنند

دشنہ: خنجر۔ سرود: (از مصدر سرودن: گیت گانا، شعر کہنا، شعر سنانا)۔ خوب رویاں: جمع خوب رو: زیب رو، خوبصورت، خوش شکل۔ جفا پیشہ: وہ شخص جس کا کام ہی ظلم کرنا ہو۔ ظالم، ستم گر۔

غالبؔ کا حلق دیکھ اور شیخ سعدی شیرازی کا خنجر کہ جنہوں نے فرمایا کہ "خوب رویانِ جفاپیشہ وفا نیز کنند" (حسین ستمگار وفا بھی کرتے ہیں)

توضیح: شیخ سعدی کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو:

خوب رویان جفا پیشہ و فا نیز کنند
بہ کساں درد فرستند و دوا نیز کنند

اس کے جواب میں میرزا غالبؔ نے جو غزل کہی تھی اس کا مطلع ہے:

دلستاناں بخلند ارچہ جفا نیز کنند
از وفائے کہ نہ کردند حیا نیز کنند

(دلبر اگرچہ جفا کرتے ہیں مگر درگذری بھی کر جاتے ہیں۔ جو وفا انھوں نے نہیں کی اس پر وہ پشیمان بھی ہوتے ہیں)

اس غزل میں میرزا غالبؔ نے شیخ سعدی کے مصرع اولیٰ کی تضمین کی ہے۔

بظاہر میرزا غالبؔ کو شیخ سعدی کے اس مصرعے سے اتفاق نہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ شیخ شیراز کے اس مصرعے نے میرے گلے پر خنجر کا کام کیا، یعنی حسینوں کی جفا کا تو یہ حال ہے کہ نوک خنجر سے مسلسل میرے گلے کو زخمی کیے جارہے ہیں، اب معلوم نہیں کہ وہ وقت کب آئے گا کہ یہ ستمکار لوگ اپنی اس حرکت سے باز آئیں اور اپنی اس خو کو خوش اسلوبی اور وفا شعاری سے بدل دیں۔

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

نزد ماحیف است گونزدِ زلیخامیل باش
جذبہ اے کذچاہ یوسف رابہ بازار آورد

نزدِما: ہمارے نزدیک، ہماری نظر میں۔ حیف: افسوس، جور، ظلم، ستم۔ گو: اگرچہ۔ میل: رغبت، جھکاؤ۔

وہ جذبہ جو حضرت یوسفؑ کو کنویں سے نکال کر بازار میں لے آیا وہ ہمارے نزدیک باعث افسوس ہے مگر ہو سکتا ہے کہ زلیخا کی رغبت اسی کی جانب ہو۔

توضیح: یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو حضرت یعقوبؑ سے جدا کر کے انھیں کنویں میں پھینکا۔ ایک تاجر نے انھیں وہاں سے نکال کر مصر کے بازار میں فروخت کیا۔ حضرت یوسفؑ پر جو واقعات گذرے وہ واقعی سراسر ان پر ظلم تھا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ ان تمام واقعات کے پس پردہ زلیخا کا جذبۂ کشش کار فرما ہو۔ اگر انھیں کنویں سے نکال کر مصر کے بازار میں فروخت نہ کیا گیا ہوتا تو داستان "یوسف و زلیخا" کا وجود نہ ہوتا۔ یہ جذبۂ عشق ہی تو ہے جو اپنے مقصد کی بر آری کے لیے چاہے تو ہر صاحب منصب و جاکو اوج عزت سے ذلت و خواری کی پستی تک لے آئے یا اس کے برعکس ذلت و پستی سے بلند کر کے اوج عزت تک پہنچادے۔

~~~~~~~~~~

بہ مقصدے کہ مرآں را رہِ خدا گویند
بروبرو کہ از آں سو بیابیا گویند

مقصد: وہ جگہ جس کا قصد و ارادہ کیا جائے۔ مر: دراصل حرف ربط ہے، جو کبھی زینت کلام کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں اسے بات پر زور دینے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ رہ: مخفف راہ بمعنی راستہ۔ بروبرو: فعل امر (از مصدر رفتن: جانا، چلنا) جاجا۔ سو: جانب، طرف۔ بیابیا: فعل امر (از مصدر آیدن: آنا) آآ۔

رہ مقصد جسے لوگ راہ خدا کہتے ہیں۔ اس کی طرف تو چل کر جا کیوں کہ اس طرف سے تجھے (قضا و قدر) آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔
~~~~~~~~~~

مگر زحق نہ بود شرم حق پرستاں را
کہ نام حق نہ برند و ہمیں انا گویند

مگر: کیا (کلمۂ استفہام)۔ حق: راست، دوست، صدق، خدا تعالیٰ کا ایک نام۔ حق پرست: راستی کا پیرو کار، صادق، خدا پرست۔ ہمیں: یہی، اسی طرح۔ آنا: ضمیر متکلم بمعنی میں ہوں۔

وہ لوگ جو حق پرست (راستباز) ہونے کا دعوا کرتے ہیں کیا انھیں خداوند تعالیٰ سے شرم نہیں آتی۔ کیوں کہ وہ حق (خداوند تعالیٰ کا نام تک زبان پر نہیں لاتے مگر مسلسل "انا" (میں) کہے چلے جاتے ہیں۔

توضیح: منصور حلاج نے کہا تھا "انا الحق" (میں خدا ہوں)۔ اس کی زبان پر یہ جملہ اس وقت آیا تھا جب اس نے حق (خداوند تعالیٰ) کو پہچان لیا تھا۔ مگر اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو نام حق (خداوند تعالیٰ) تو زبان تک پر نہیں لاتے اور مسلسل "انا" (میں ہوں) کہے چلے جاتے ہیں۔ ضمیر متکلم واحد "انا" سے خود پرستی ظاہر ہوتی ہے۔ جب کہ "انا الحق" سے منصور کی مراد یہ تھی کہ میں خدا کی ذات میں اس طرح محو و گم ہو گیا ہوں کہ میرا وجود تک باقی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ خدا ہی ہے اور میں کچھ بھی نہیں۔ میرزا غالب کے خیال میں "انا" اور "انا الحق" ایک دوسرے کی ضد میں۔ "انا الحق" میں تسلیم و رضا ہے اور محض "انا" میں خودی کا عنصر غالب و نمایاں ہے۔ یعنی جو لوگ "انا" کہتے ہیں وہ خدا پرست نہیں بلکہ خود پرست ہیں۔

بگوے مردہ کہ در دہر کارِ غالبؔ زار
از آں گذشت کہ درویش و بی نوا گویند

بگوے مردہ: کہو (غالبؔ) مر گیا۔ سب کو خبر کر دو۔

کہہ دو غالبؔ مر مٹا اور دنیا میں اس زار و نزار (شخص) کا حال اس (حد سے) گزر گیا کہ لوگ اسے فقیر، گدا اور زبوں و بے چارہ کہیں۔

توضیح: غالبؔ کے مر جانے سے گویا اس کے دلدّر دور ہو گئے۔

مژدہ اے ذوقِ خرابی کہ بہار است بہار
خرد آشوب تر از جلوۂ یار است بہار

مژدہ: خوشخبری، اچھی خبر۔ ذوق: تمنا، آرزو۔ ذوق خرابی: شراب پی کر بدست و بدحال ہونے کی آرزو۔ کہ: کیوں کہ، اس بنا پر، اس لیے۔ خرد آشوب: عقل کو پامال کرنے والا، عقل و ہوش کو تباہ و برباد کر دینے والی (چیز)۔ جلوۂ یار: دیدار یار، دوست کی رونمائی۔

ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہے جنھیں بدمست ہونے کی تمنا ہے۔ کیوں کہ موسم بہار ہر طرف چھایا ہوا ہے۔ دیدار دوست تو عقل کو پامال کرنے والا ہے ہے مگر اس سے بھی زیادہ دشمن عقل و ہوش موسم بہار ہے۔

ہم حریفانِ ترا طرفِ بساط است چمن
ہم شہیدان ترا شمع مزار است بہار

حریف: ہم پیشہ، مقابل، کھیل یا عداوت میں مقابلہ کرنے والا۔ دوست۔ ہمنشیں، حریفاں: جمع حریف۔ حرف (بفتح اول و سکون دوم) کنارہ، حاشیہ۔ بساط: وہ چیز جو پھیلائی جائے، فرش، بچھونا۔ شہیداں: جمع شہید: وہ شخص جو راہ خدا میں قتل کیا گیا ہو۔ شمع مزار: وہ شمع جو کسی کی تربت پر روشن کی جائے۔ یہاں مراد لالہ کی کلی سے ہے جو شعلہ شمع کی طرح سرخ نظر آتی ہے۔

تیرے دوستوں اور ہمنشینوں کے لیے چمن کنارۂ فرش ہے۔ اور تیری خاطر جو شہید ہوئے ہیں ان کی قبر پر بہار، شمع مزار بن کر نمایاں ہے۔

جعدِ مشکینِ ترا غالیہ سائے است نسیم
رخِ رنگینِ ترا غازہ نگار است بہار

جعد: گھونگھریالے بال، مرغولے دار زلف، بل کھائی لٹ۔ جعدِ مشکیں: ایسی مرغولے دار زلف جو مشک کی طرح سیاہ و خوشبودار ہو۔ غالیہ: مشک و عنبر سے تیار کردہ خوشبو جو دل و دماغ کو فرحت بخشتی ہے۔ نسیم: خنک ہوا، لطیف و ملایم ہوا۔ غازہ: گلگونہ، سرخاب، برگ و گل کا سفوف۔ غالیہ سائے: (از مصدر سائیدن: پیسنا، ملانا) غالیہ

ملانے والا۔ غازہ نگار: (از مصدر نگاشتن: نقش و نگار بنانا) غازہ سے نقش بنانے والا۔

ہوا کے نرم نرم جھونکے تیری مرغولے دار زلفوں میں مشک و عنبر کی آمیزش کر رہے ہیں اور تیرے رنگین چہرے پر بہار نقش و نگار بنا رہی ہے۔

سنبل و گل اگر از گلشنیانِ است چه غم

بهر ما گلخنیان دود و شرار است بهار

سنبل: ایک قسم کا پھول۔ گلشنیان: جمع گلشنی: گلشن میں رہنے والے۔ گلخنیاں: جمع گلخنی: گلخن میں رہنے والے۔ گلخن (بہ ضم اول و فتح سوم) آتشدان حمام۔ حمام کی بھٹی۔ دود: دھواں۔ شرار: چنگاری، انگارہ، پتنگا۔

اگر گلشن میں رہنے والوں کو سنبل اور پھول میسر ہیں تو ہمیں اس کی کیا پروا۔ کیوں کہ ہمارے لیے جو حمام کی بھٹی میں پڑے ہوئے ہیں دھواں اور فضا میں اڑنے والی چنگاریاں ہی بہار کا لطف دیتی ہیں۔

خار ہا در رہِ سودازدگاں خواہد ریخت

ورنہ در کوہ و بیاباں بہ چہ کا راست بہار

خارہا: جمع خار) کانٹے۔ سودازدگاں: (جمع سودہ زدہ) وہ لوگ جو مرض سودا کے شکار ہوں۔ جنون کے مارے ہوئے، دیوانے۔ خواہد ریخت: (از مصدر ریختن: بکھرنا) بکھیرے گی۔ بہ چہ کار: کس مقصد کے لیے، کس غرض سے؟۔

جو لوگ سودائی ہیں ان کی راہ میں (یہی بہار) کانٹے بکھیرے گی۔ اور اگر اس کا یہ مقصد نہیں ہے تو پھر کس لیے کوہ و بیابان میں آپہنچی ہے۔

توضیح: بہار آئی ہے اور اپنے ساتھ سبزہ و گل بھی لائی ہے۔ اس کے بعد موسم گرما آئے گا اور اس کے گذر جانے کے بعد فصل خزاں "جس کے آنے سے قبل پھول پوری طرح کھل چکے ہوں گے، سبزیوں کی بیلیں پک چکی ہوں گی اور جیسے ہی خزاں کی تند رفتار ہوائیں چلیں گی ہر برگ، گل اور میوہ شاخ درخت سے گر کر خاک میں مل جائے گا۔ اور درختوں پر برہنہ شاخیں ہی رہ جائیں گی، جو بالکل کانٹوں کی طرح نمایاں ہوں گی، پھولوں کی نرم ٹہنیاں سوکھ کر ڈنٹھل بن جائیں گی" جو بہار کے متوالوں کی راہ میں کانٹوں کا کام کریں گی۔ شاعر کی نظر

میں بہار کی تمام رعنائیاں محض فریب ہیں اور جوان کے دام میں آجاتے ہیں وہ اپنی راہ میں خوب کانٹے بچھاتے ہیں۔

~~~~~~~~~~

بیا و جوش تمنائے دیدنم بنگر
چو اشک از سرِمژگاں چکیدنم بنگر

بیا: (فعل امر از مصدر آمدن: آنا) آ۔ جوش تمنائے دیدنم: (از مصدر دیدن: دیکھنا) مجھے تیرے دیکھنے کا شوق وولولہ۔ بنگر: (فعل امر از مصدر نگریستن: دیکھنا) دیکھ۔ اشلک: آنسو۔ سرمژگان: پلکوں کا سرا، پلکوں کی نوک۔ سرمژگاں چکیدنم: (از مصدر چکیدن: ٹپکنا، قطرے بن کر گرنا) میری پلکوں کے سروں کی ریزش۔

آ اور دیکھ کہ میرے دل میں تیرے دیدار کی کس قدر شدید آرزو ہے۔ آنسوؤں کی طرح میری پلکوں کے سرے گرنے کا منظر آکر دیکھ۔

توضیح: شاعر کی یہ انتہائی تمنا ہے کہ اس کا محبوب آئے اور اس کی حالت زار کو دیکھے۔ اپنے محبوب کی جدائی میں روتے روتے اس کی آنکھیں اس قدر پرنم ہو چکی ہیں کہ پلکوں کے سروں کی ریزش شروع ہو گئی ہے۔ چناں چہ اس کی تمنا ہے کہ اس کا محبوب آئے اور اس منظر کو دیکھے کہ شاعر نے اس کے فراق میں خود کو کیا بدحال بنالیا ہے۔

شنیده ام که نه بینی و ناامید نیم
نه دیدنِ تو شنیدم، شنیدنم بنگر

شنیده ام: (از مصدر شنیدن، شنفتن: سننا) میں نے سنا ہے۔ نه بینی: (از مصدر دیدن: دیکھنا) تو نہیں دیکھتا۔ نا امید نیم: نا امید نیستم: میں ناامید نہیں ہوں، میں مایوس نہیں ہوں۔ نه دیدن: نہ دیکھنا۔ شنیدم: میں نے سنا۔ شنیدنم: میرا سننا۔

میں نے سنا ہے کہ تو میری طرف دیکھتا تک نہیں مگر اس کے باوجود میں تیرے اس عمل سے مایوس وناامید نہیں۔ یہ تو میں نے سن لیا کہ تو میری طرف نہیں دیکھتا۔ اب تو یہ بھی تو دیکھ
~~~~~~~~~~

میں انھی باتوں کو کس طرح کان لگا کر سنتا ہوں۔

زمن به جرم تپیدن کناره می کردی
بیا به خاکِ من و آرمیدنم بنگر

تپیدن: طپیدن: تڑپنا، درد و کرب کی بنا پر زمین پر لوٹنا۔ کناره می کردی: تو نے مجھ سے کنارہ کر لیا، تو نے مجھ سے علاحدگی اختیار کر لی۔ آرمیدنم: (از مصدر آرمیدن: آرام پانا، پر سکون ہونا، چین پا جانا)۔

تو نے میرے اس جرم کی پاداش میں کہ تیرے فراق میں تڑپتا ہوں کنارہ کشی اختیار کر لی۔ لیکن اب تو اس خاک کو دیکھ (جہاں میں کبھی تڑپتا تھا) اور ملاحظہ کر کہ میں کس قدر پر سکون اور چین کی حالت میں یہاں پڑا ہوا ہوں۔

نیاز مندیِ حسرت کشاں نمی دانی
نگاهِ من شو و دز دیده دیدنم بنگر

نیاز مند: ضرورت مند، اہل حاجت۔ نیاز مندی: حاجت، ضرورت۔ حسرت کشان: جمع حسرت کش، وہ شخص جس کی آرزو پوری نہیں ہوتی۔ وہ شخص جس کی یہی تمنا باقی رہتی ہے کہ اپنی مراد کو پہنچے۔ نمی دانی: (از مصدر دانستن: جاننا) تو نہیں جانتا۔ شو: (فعل امر از مصدر شدن: ہونا) ہو جا، بن جا۔ دز دیده: (از مصدر دزدیدن: چوری کرنا) چوروں کی طرح۔ دیدنم: (از مصدر دیدن: دیکھنا) میرا دیکھنا۔

وہ لوگ جن کی یہی تمنا باقی رہتی ہے کہ اپنی مراد کو پہنچیں (حسرت کش) تو ان کی حاجت و ضرورت مندی کو نہیں جانتا (اگر یہی جانتا ہو تو) تو میری نظر بن جا اور دیکھ کہ میں کس طرح چور نظروں سے تیری طرف دیکھتا ہوں۔

تواضعے نه کنم بی تواضعے غالبؔ
به سایهٔ خمِ تیغش خمیدنم بنگر

تواضعے: اظہار انکسار کرنا، اظہار عاجزی و انکساری کرنا۔ خمیدنم: (از مصدر خمیدن: جھکنا) میرا جھکنا۔

غالبؔ (اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ) میں کسی کے سامنے اظہار عجز و فروتنی نہیں کرتا (کیوں کہ) طبعاً سرکش و خود سر واقع ہوا ہوں۔ اگر میری فروتنی کو دیکھنا ہی ہے تو دیکھ کہ میں کس طرح تیرے خم تیغ کے زیر سایہ جھک جاتا ہوں۔

به مرگ من که پس از من به مرگ من یاد آر
به کوے خویشتن آں نعش بی کفن یاد آر

به: بای قسمیہ، بہ مرگ من: قسم ہے میری جان کی (اگر دروغ گوئی سے کام لوں تو مجھے موت آجائے)۔ پس از من: میرے بعد، میرے مرنے کے بعد۔ به مرگ من: میری موت کو۔ یاد آر: (از مصدر آوردن: لانا) ذہن میں لا۔ یاد کر۔

میں تجھے قسم دیتا ہوں اپنے مر جانے کی (تجھے قسم ہے میری جان کی) کہ میرے مر جانے کے بعد تو میری موت کو یاد کیجیو۔ (اور) یاد کیجیو اس بے کفن لاش کو جو تیرے کوچے میں پڑی ہوئی تھی۔

من آں نیم که زمرگم جہاں بہم نه خورد
فغانِ زاہد و فریادِ برہمن یاد آر

من آں نیم: میں وہ نہیں ہوں۔ زمر گم: از مرگم: میری موت سے۔ بہم خوردن: ٹکرانا، زیر وزبر ہو جانا۔ بہم نه خورد: نہ ٹکرائے، متاثر نہ ہو۔ فغاں: آہ، دکھ۔ فریاد: چیخ و پکار۔

میں وہ (معمولی انسان) نہیں ہوں کہ جب مر جاؤں تو یہ دنیا تہس نہس نہ ہو۔ یاد کر زاہد کی آہ و بکا اور برہمن کی گریہ وزاری کو۔

توضیح: شاعر کو اپنی اہمیت کا احساس ہے اور وہ معشوق کو یہ تنبیہ کر رہا ہے کہ میں کوئی معمولی انسان نہیں ہوں جس کی موت سے دنیا متاثر نہ ہو۔ مجھے زاہد بھی روئے گا اور برہمن بھی۔ زاہد توحید پرست ہے تو برہمن انیک دیوتاؤں کا پجاری، گو اس بات پر دونوں میں اختلاف و کشمکش ہے مگر میرے دونوں ہی دوست ہیں اور مجھے دونوں کے درمیان برابر کی مقبولیت حاصل ہے۔ اسی لیے میری موت سے یقیناً دنیا اثر پذیر ہوگی اور سب ہی میری موت پر واویلا

اور آہ وبکا کریں گے۔

به بام ودر زہجومِ جوان و پیر بگوئے
به کوے و برزن از اندوہِ مردوزن یاد آر

بام: چھت۔ در: دروازہ۔ بام و در: پورا مکان۔ کوے: کوچہ۔ برزن: گلی، محلہ۔ اندوہ: غم۔

(میرے مرنے کے بعد) مکانوں کی چھتوں اور درودیوار پر جوان اور بوڑھے لوگوں کا کتنا عظیم مجمع ہوگا تو اس کی بات کر۔ گلیوں اور کوچوں میں جو لوگ غم وافسوس کریں گے تو اسے اپنے ذہن میں رکھ۔

توضیح: یہ قطعہ بند شعر ہے۔ اس سے قبل میرزا غالبؔ نے اپنی اہمیت کا ذکر کیا ہے اسی سلسلے کو برقرار رکھتے ہوئے موصوف مزید فرماتے ہیں کہ جب میرا جنازہ نکلے گا تو آخری دیدار کی غرض سے لوگ مکانوں کی چھتوں اور درودیواروں پر کثیر تعداد میں جمع ہوں گے۔ تو تصور کر کہ لوگ کس طرح گلیوں اور کوچوں میں میرے غم میں آہ وزاری کریں گے۔

به سازِ ناله گروہے ز اہلِ دل دریاب
به بند مرثیه جمعے ز اہلِ فن یاد آر

ساز: آلاتِ موسیقی۔ ناله: (از مصدر نالیدن: آہ وشیون کرنا) فریاد و فغاں، واویلا۔ به ساز ناله: آہ و فغان کی دھن پر۔ گروہے: ایک گروہ، ایک جماعت۔ اہل دل: وہ لوگ جو اپنی مرضی کے مالک ہوں۔ اہل اللہ، خدا رسیدہ لوگ۔ دریاب: (از مصدر دریافتن: پانا، تلاش کرنا، حاصل کرنا) تلاش کر، حاصل کر۔ بند: کسی مخمس یا مسدس نظم کا ایک حصہ۔ بند مرثیہ: سوگوارانہ نظم کا ایک حصہ۔ جمعے: ایک جماعت، ایک گروہ۔ اہلِ فن: فن کار، ہنر مند، ہنر ور۔

نالہ و فغاں کی دھن پر تو کچھ دل والوں کو جمع کر۔ مرثیہ کے بند پر کچھ ہنرور لوگوں کو یاد کر۔

توضیح: تو اپنی آہ و فغاں میں وہ تاثیر نغمہ پیدا کر کہ خود بے گانہ لوگ اسے سن کر تیرے گرد جمع ہو جائیں اور وارستہ تجھ پر فریفتہ ہونے لگیں۔ مرثیہ گوئی فن ہے، اچھے مرثیے کا انحصار اس مصرعے پر ہوتا ہے جو کسی مخمس یا مسدس نظم میں بروئے کار لایا جائے اور ماہر و فنکار استاد ہی

اس مصرعے کو بحسن و خوبی ادا کر سکتے ہیں۔ چناں چہ جس وقت تو مرثیہ کہے تو اس کے ہر بند پر فن کار و ہنر ور شاعر کے کلام کو اپنے ذہن میں رکھ۔

به خود شمار وفاهاے من، زمردم پرس
به من حساب جفاهاے خویشتن یاد آر

شمار: (از مصدر شماردن: گننا) گن، شمار کر۔ حساب: اس شعر میں یہ لفظ تعداد کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

تو خود ہی میری وفاؤں کو گن (نیز دوسرے) لوگوں سے دریافت کر (اس کے ساتھ ہی) تو ان جفاؤں کی تعداد کو بھی اپنے ذہن میں لا جو تو نے میرے ساتھ روا رکھی ہیں۔

هزار خسته ورنجور در جهان داری
یکے ز غالبِ رنجورِ خسته تن یاد آر

هزار: یہاں بمعنی لاتعداد استعمال کیا گیا ہے۔ خسته: تھکا ہوا۔ رنجور: بیمار، دائمی مریض۔ خسته ورنجور: ناتواں اور عاجز و لاچار۔ خسته تن: ناتواں، جسمانی طور پر لاچار۔

یوں تو دنیا میں ایسے لاتعداد اشخاص موجود ہیں (جو تیرے عشق میں) عاجز و درماندہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ انھی میں سے ایک غالب بھی ہے جس کا جسم چور چور ہے، تو کبھی اسے بھی یاد کر لیا کر۔

~~~~~~~~~~

اے دل از گلشنِ امید نشانے به من آر
نیست گر تازه گلے برگِ خزانے به من آر

آر: (از مصدر آوردن: لانا) لا۔ لے کر آ۔ برگ خزانے: خزاں کا مارا ہوا پتہ، خزاں زدہ پتہ۔ (یہاں پژمردہ یا امید موہوم کو خزاں زدہ پتے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے)۔

اے دل گلزار امید سے میرے لیے کوئی نشانی لے کر آ۔ اگر وہاں کوئی تر و تازہ پھول نہ ہو تو خزاں زدہ پتہ ہی لے آ۔
~~~~~~~~~~

توضیح: شاعر انتہائی مایوسی کا شکار ہے۔اسی عالمِ یاس میں وہ اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تو کہیں سے امید کی کوئی کرن تو دکھا،اگر تیرے پاس گلشنِ امید کا کوئی تر و تازہ پھول (امید شگفتہ) نہیں تو کوئی موہوم امید (امید پژمردہ) کی ہی جھلک دکھا۔

ای دراندوهِ تو جاں داده جهانے از رشك
مکشُ از رشکم و اندوهِ جهانے به من آر

اندوه: غم، رنج۔ جاں داده: (از مصدر دادن: دینا) جس نے اپنی جان دے دی ہو۔
جهانے: کثیر تعداد، لا تعداد۔ رشك: حسرت، کسی آرزو کے پورا نہ ہونے پر ملال۔
مکش: فعل نہی (از مصدر کشتن: قتل کرنا) قتل مت کر۔

اے (محبوب) تیرے غم میں ایک عالم نے رشک سے اپنی جان دے دی ہے مجھے رشک میں جلا کر کے قتل مت کر۔اس کے بدلے (چاہے تو) دنیا بھر کا غم مجھے دیدے۔

توضیح: عاشق کو اپنے معشوق کا قرب حاصل ہے۔ جس کے باعث ایک دو کو نہیں بلکہ کل عالم کو رشک ہونے لگا ہے اور لوگ یہ کوشش کرنے لگے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح دونوں کے درمیان تفرقہ پیدا کر دیں۔اس پر عاشق اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تمام عالم کا غم برداشت کرنے کو تیار ہوں مگر اس عالم رشک میں مرنا نہیں چاہتا کہ میری جگہ کسی دوسرے کو تیرا قرب حاصل ہو۔

سخنِ ساده دلم را نه فریبد غالبؔ
نکتهٔ چند ز پیچیده بیانے به من آر

فریبد: (از مصدر فریبدن: گرویدہ کرنا، والہ و شیفتہ کرنا) فریفتہ کرتا ہے۔اپنی طرف کھینچتا ہے۔

غالبؔ! سادہ کلام میرے لیے باعث کشش نہیں۔اپنے اشعار میں ایسے چند نکتے بیان کر جن میں معنی کی گہرائی اور پیچیدگی ہو۔

توضیح: میرزا غالبؔ چودھری عبدالغفور کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"......... اس رقعے میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت

صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار کو قتیل و
واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔
میزان یہ ہے۔ رودکی، فردوسی سے لے کر خاقانی و سنائی و انوری
وغیرہ تک ایک گروہ: ان حضرات کا کلام تھوڑے تفاوت سے
ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدیؒ طرز خاص کے موجد ہوئے۔
سعدی، جامی و ہلال یہ اشخاص متعدد نہیں۔ فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا
مبدع ہوا۔ خیالہائے نازک و معانی بلند۔ اس شیوہ کی تکمیل کی
ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان
پڑگئی۔ اس روش کو، بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چرچا دیا۔
صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرے میں ہیں۔ رودکی
واسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی
کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا فغانی کا انداز پھیلا
اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہریں
ہیں..........."

رودکی و فردوسی کے کلام میں سلاست و روانی پائی جاتی ہے۔ سنائی سے خاقانی تک کے اشعار میں صنایع لفظی و معنوی کا بکثرت استعمال ملتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے عربی اقوال و اشعار اور غیر مانوس الفاظ استعمال کر کے شعر میں مزید معنویت پیدا کی۔ فغانی کے بعد سے کوئی بھی شاعر ایسا نظر نہیں آتا جس کے کلام میں ایہام، استعارہ و کنایہ کا عنصر نہ پایا جاتا ہو چناں چہ میرزا غالب کو بھی رودکی، فردوسی، انوری، خاقانی اور شیخ سعدی کا طرز بیان پسند نہ تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ دور از کار تشبیہات، نادر استعارات اور نامانوس کنایات کے ساتھ شعر میں کوئی رمز پیدا کیا جائے۔ اسی بات کو انھوں نے پیچیدہ بیانی سے تعبیر کیا ہے اور یہی ان کا پسندیدہ شیوہ تھا۔

برقے کہ جانہا سوختے دل از جفا سردش ببیں
شوخے کہ خونہا ریختے دست از حنا پاکش نگر

سوختے: (از مصدر سوختن: جلانا، جلاڈالنا) جلادیتی تھی، (اس فعل میں حرف "ی"

استمراری ہے)۔ شوخ: شریر، چنچل، گستاخ۔ ریختے: (از مصدر ریختن: بہانا) بہا دیا کرتا تھا، (اس فعل میں حرف "ی" استمراری ہے)

وہ بجلی جو کبھی جانوں کو جلایا کرتی تھی اب دیکھو تو اس کا دل جور و ستم سے سرد ہو چکا ہے۔ وہ شوخ و شنگ معشوق جو کبھی عشاق کا خون بہایا کرتا تھا (وہ اپنی اس حرکت سے باز آیا) اور اب دیکھو تو اس کے ہاتھوں پر حنا کی سرخی نظر آتی ہے۔

آں کو به خلوت باخدا ہر گزنه کردے التجا
نالاں به پیشِ ہر کسے از جورِ افلاکش نگر

آں کو: کہاں ہے وہ۔ التجا: پناہ مانگنا، پناہ لینا۔ نالاں: (از مصدر نالیدن: رونا) روتا ہوا۔ رونے کی حالت میں۔ جور: ظلم و ستم۔ افلاک: جمع فلک، آسمان۔

کہاں ہے وہ جو تنہائی میں بھی کبھی خدا سے پناہ نہیں مانگتا تھا اور آج ہر شخص کے سامنے روتا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمانوں کا ظلم تو دیکھو۔

مرکزی خیال: از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

(اپنے عمل کی پاداش سے غافل مت ہو۔ کیوں کہ گیہوں سے گیہوں اور جو سے جو ہی پیدا ہوتا ہے)۔

خواند به امیدِ اثر اشعارِ غالبؔ ہر سحر
از نکته چینی در گذر فرہنگِ ادراکش نگر

نکته چینی: تنقید۔ در گذر: (از مصدر درگذشتن: چشم پوشی کرنا، صرفِ نظر کرنا، اَن دیکھا کرنا)۔ فرہنگ: دانش، معرفت ادب، تعلیم و تربیت۔ ادراک: فہم و فراست۔

غالب ہر صبح (اپنے) اشعار اس امید میں پڑھتا ہے کہ ان میں اثر پیدا ہو۔ تو اس کے اشعار میں عیب تلاش مت کر بلکہ یہ دیکھ کہ ادب و دانش کو درک کرنے میں اسے کیسی مہارت ہے۔

ای ذوق نواسنجی بازم به خروش آور
غوغائے شبیخونے بربنگهِ ہوش آور

نوا: نغمہ، صدا، آواز۔ نواسنجی: (از مصدر سنجیدن: ناپنا، تولنا) نغمہ سرائی۔ بازم: پھر مجھے۔ خروش: چیخ، پکار، شور و غوغا۔ آور: (از مصدر آوردن: لانا)۔ شبخوں: رات کے وقت اچانک حملہ۔ بنگہ: ادارہ، مؤسسہ، انبار، ذخیرہ، پھڑ، اڈا۔

اے ذوق نغمہ سرائی تو ایک بار پھر عالم شور و غوغا میں لے آ۔ اور اس شور و غوغا کے ذریعے میرے ہوش و حواس کے ذخیرے پر رات کے وقت حملہ کر دے۔

توضیح: شاعر سکوت سے تنگ آ چکا ہے۔ چناں چہ ذوق نغمہ سرائی (نوا سنجی) مجبور کر رہا ہے کہ وہ دیوانہ وار ایک بار پھر نغمات کی لے پر آہ و فغاں بپا کر دے اور وہ بھی رات کے اس حصے میں جب کہ ہر طرف سکوت و خاموشی طاری ہو۔ ایسے وقت میں اس کی آہ و بکا یک لخت اس طرح بلند ہو گویا کسی فوج نے رات کے وقت اچانک دشمن پر حملہ کر دیا ہو۔

گر خود نہ جہد از سر از دیدہ فروبارم
دل خوں کن و آں خوں را از سینہ بہ جوش آور

جہد: (از مصدر جہدن: اچھلنا، ابلنا، جوش مارنا)۔ فروبارم: (از مصدر باریدن) میں برساؤں گا۔ دل خوں کن: دل کو خون کر، دل کو خون میں تبدیل کر دے۔ بہ جوش آور: (از مصدر آوردن: لانا) جوش میں لا۔

اگر (میرا خون) جوش مار کر سر سے نہیں نکلے گا تو میں اسے آنکھوں سے برساؤں گا۔ تو میرے دل کو خون کر دے اور اس خون کو سینے سے (فوارے کی طرح) جوش کے ساتھ باہر نکال۔

توضیح: اس شعر میں بھی شاعر ذوق نوا سنجی سے خطاب کر رہا ہے۔ اور اس سے کہہ رہا ہے کہ ہوش و خرد کے ذخیرے پر اس طرح شبخوں مار کہ میرا دل خون میں تبدیل ہو جائے اور یہ خوں میرے سینے سے جوش مارتا ہوا سر میں سے باہر نکل آئے اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں اس کو اپنی آنکھوں کی راہ سے بہا دوں گا۔ حاصل کلام یہ کہ شاعر اپنے دل سے عاجز ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ دل ہی نہ رہے تا کہ ہر غم و بلا سے نجات مل جائے۔

ہاں ہمدم فرزانہ، دانی رہِ ویرانہ
شمعے کی نہ خواہد شد از باد خموش آور

ہمدم: ہمنشین، دوست۔ فرزانہ: عقل مند، دانش ور، سمجھ دار۔ دانی: (از مصدر دانستن: جاننا) تو جانتا ہے۔ رہ: مخفف راہ بمعنی راستہ۔ ویرانہ: غیر آباد جگہ۔ شمعے کہ: وہ شمع جو۔ خموش: مخفف خاموش۔ خواہد شد از باد: ہوا سے نہ بجھے گی۔

اے میرے عقل مند دوست تجھے تو غیر آباد جگہ کا راستہ معلوم ہی ہے۔ تو کوئی ایسی شمع لے کر آ جسے ہوا نہ بجھا سکے۔

دانم کہ زرے داری ہرجا گزرے داری
مے گرنہ دہد سلطاں از بادہ فروش آور

دانم: (از مصدر دانستن: جاننا) میں جانتا ہوں۔ زر: سونا، یہاں مراد مالِ کثیر ہے۔ زرے داری: (از مصدر داشتن: رکھنا) تیرے پاس کثیر تعداد میں رقم ہے۔ ہر جا: ہر جگہ۔ گذرے داری: تیرا گذر ہے، تیری رسائی ہے، تیری پہنچ ہے۔ بادہ فروش: شراب فروخت کرنے والا۔

میں جانتا ہوں کہ تیرے پاس کثیر تعداد میں مال (زر) موجود ہے۔ اور اسی بنا پر تیری ہر جگہ پہنچ ہے۔ اگر سلطان تجھے شراب نہ دے تو اسے تو شراب فروش سے لے کر آ۔

توضیح: یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بہادر شاہ ظفر اس قدر تنگ دست ہو چکے تھے کہ وہ اکثر رقم سود پر شہر کے مہاجنوں سے قرض لیتے تھے۔ میرزا غالب نے بھی ان کی اس تنگ دستی کی جانب غزل کے پیرایے میں اشارہ کیا ہے۔ وہ معشوق سے کہہ رہے ہیں کہ تیرے پاس زر موجود ہے جس سے ہر کام بن سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ سلطان کے پاس دینے کے لیے شراب نہ ہو۔ ایسی صورت میں تو شراب فروش سے شراب خرید کر لے آئیو۔

گرمغ بہ کدو ریزد برکف نہ وراہے شو
ورشہ بہ سبو بخشد بردار و بہ دوش آور

مغ: زرتشتی مذہب کا پیشوا، زرتشتی مذہب کا عالم دین۔ کدو: گھیا۔ میٹھا گھیا۔ جب گھیا پک جاتا ہے تو اس کا چھلکا لکڑی کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ چناں چہ ہندوستان میں سادھو اس کا کمنڈل بناتے ہیں اور ایران میں شراب بنانے کے لیے زرتشتی اس کا استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کے لیے جو صراحیاں شیشے یا کسی دھات کی بنائی جاتی تھیں وہ کدو کی جسامت سے مشابہ ہوتی تھیں۔ کف: ہتھیلی۔ نہ: (از مصدر نہاون: رکھنا) رکھ۔ راہے شو: (از مصدر شدن) راہ اختیار کر، روانہ ہو جا۔ سبو: گھڑا، مٹکا، خم۔ بردار: (از مصدر برداشتن: اٹھانا) اٹھالا۔ دوش: شانہ، کندھا۔

اگر مغ (زرتشتی مذہب کا پیشوا) شراب کدو (ظرف شراب) میں انڈیل دے تو تو اس ظرف کو ہاتھوں پر اٹھا کر لا۔ اور اگر شاہ تجھے شراب تیرے سبو (خم) میں بخشے تو تو اس خم کو اپنے کندھے پر رکھ کر لے آ۔

توضیح: مذکورہ بالا شعر سے قبل کے شعر میں شاعر نے سلطان کے بخیل یا تنگدست ہونے کی مذمت کی تھی اور یہ کہا تھا کہ اگر سلطان شراب نہ بخشے تو خرید کر لے آئیو۔ لیکن یہاں اس نے اپنی بات کی تردید کی ہے۔ اور کہا ہے کہ شراب تو ایسی چیز ہے جسے دینے سے کوئی انکار نہ کرے گا۔ چناں چہ اگر تو اپنا ظرف شراب مغ کے پاس لے کر جائے گا تو وہ اتنی ہی شراب دے گا کہ تو اسے ہاتھوں میں اٹھا کر لے آئے مگر سلطان کے پاس جائے گا تو وہ مقدار میں اتنی فراواں و کثیر ہو گی کہ خم میں ہی سما سکے گی اور تو اسے ہاتھوں میں نہیں بلکہ کندھے پر رکھ کر لائے گا۔

~~~~~~~~~~~

یا رب زجنوں طرحِ غمے در نظرم ریز
صد بادیہ درقالبِ دیوار و درم ریز

یارب: خدایا، یااللہ۔ جنوں: دیوانگی۔ طرح: بنیاد۔ طرح ریز: (از مصدر ریختن) بنیاد رکھ۔ بادیہ: صحرا، بیابان، جنگل۔ قالب: سانچہ۔ دیوار و درم: میرے در و دیوار۔

اے اللہ! جنوں کے ذریعے کسی غم کی بنیاد میری نظر میں رکھ دے۔ اور سیکڑوں بیابان میرے در و دیوار کے سانچے میں ڈھال دے۔
~~~~~~~~~~~

دل را زِ غمِ گریۂ بے رنگ به جوش آر
اجزاے جگر حل کن و درچشمِ ترم ریز

گریۂ بے رنگ: آنسو۔ به جوش آر: (از مصدر آوردن: لانا) جوش میں لا، جوش پیدا کر۔ اجزا: جمع جزء۔

کسی ایسے غم کو یاد کر کے جس سے آنکھوں میں آنسو چھلک آئیں میرے دل میں جوش پیدا کر۔ اور اس گریۂ بے رنگ (آنسوں) میں جگر کے اجزا حل کر اور تو انھیں میری آنکھوں میں ٹپکا۔

توضیح: اطبا بعض امراض کا علاج کرنے کے لیے یہ نسخہ تجویز کرتے ہیں کہ صاف پانی کو ابال کر اس میں اتنی مقدار فلاں دوا ملائی جائے اور اس کے ساتھ ہی وہ ترکیب استعمال بھی بتاتے ہیں۔ میرزا غالب اپنے مرض کا یہ علاج تجویز کر رہے ہیں کہ دل کو غمِ گریۂ بے رنگ (صاف آنسوؤں) سے جوش دیا جائے اور اس میں اجزاے جگر حل کر کے اسے آنکھوں میں ٹپکایا جائے تاکہ ان کے مرض کا مداوا ہو سکے۔

ہر جا نم آبے ست به مژگانِ ترم بخش
از قلزم و جیحوں کفِ خاکی به سرم ریز

ہرجا: جہاں کہیں۔ نم آبے: پانی کی ذرا سی بھی نمی۔ مژگان: پلکیں۔ بخش: (از مصدر بخشیدن: بخشنا، عطا کرنا) عطا کر، عنایت کر۔ قلزم: سمندر۔ جیحوں: دریا۔ کف: جھاگ، ہتھیلی، تلوا۔ کف خاکی: مٹھی بھر خاک۔ خاك برسرم ریز: میرے سر پر خاک ڈال۔ خاك برسر کسے ریختن: کسی کو ذلیل و خوار کرنا۔

جہاں کہیں بھی ذرا سی پانی کی نمی مل جائے وہ میری نم آلود پلکوں کو عطا کر۔ نیز سمندر اور دریا سے مٹھی بھر خاک لا کر میرے سر پر ڈال دے۔

توضیح: میرزا غالب نے اس شعر میں متضاد باتیں کہی ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہہ رہے ہیں کہ میری آنکھیں روتے روتے اب خشک ہو چکی ہیں۔ بس پلکوں پر نمی باقی رہ گئی ہے۔ اس کے لیے وہ چاہتے ہیں کہ کہیں سے ذرا سی بھی نمی مل جائے تو وہ مزید تر ہو جائیں گی۔

دوسری طرف وہ کہہ رہے ہیں کہ دریا اور سمندر کی مٹی میں رطوبت جذب کرنے کی استعداد

زیادہ ہوتی ہے اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ کوئی ان کی سر پر دریا اور سمندر کی خاک ڈال دے تا کہ وہ ان کی پلکوں کی نمی کو اپنے میں جذب کر لے۔

اس شعر کے معنی یوں بھی بیان کیے جاسکتے ہیں کہ غموں کی کثرت کے باعث وہ اتنا رو چکے ہیں کہ ان کی آنکھیں تو خشک ہو ہی چکی ہیں البتہ پلکوں پر بس نمی باقی رہ گئی ہے۔ اگر کہیں سے مزید نمی مل جائے تو وہ اور زیادہ آنسو بہالیں۔ دوسری طرف وہ چاہتے ہیں کہ ذلت و رسوائی میں جو کسر رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے۔ اس کے لیے وہ خود ہی تجویز پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دریا اور سمندر کی خاک (جس سے مراد گاد اور کیچڑ بھی ہو سکتی ہے) کوئی لے آئے اور ان کے سر پر ڈال دے۔

گیرم کہ بہ افشاندنِ الماس نیرزم
مشتے نملِ سودہ بہ زخمِ جگرم ریز

گیرم: میں نے مانا، میں نے فرض کیا، میں نے یہ تسلیم کیا۔ افشاندن: برسانا، بکھیرنا۔ الماس: ہیرا۔ نیرزم: (از مصدر ارزیدن: قابل قدر ہونا، قیمتی ہونا) گراں بہا ہونا۔ قیمت نہیں رکھتا، قابل نہیں ہوں میں۔ مشتے: مٹھی بھر۔ نمك سودہ: (از مصدر سودن: پیسنا) پسا ہوا نمک۔

یہ میں نے مانا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ مجھ پر ہیرے نثار کیے جائیں۔ (ایسی صورت میں) مٹھی بھر پسا ہوا نمک ہی تو میرے زخم جگر پر چھڑک دے۔

مسکیں خبر از لذت آزار ندارد
خارم کن و در رہ گزرِ چارہ گرم ریز

مسکیں: بیچارہ، ناسمجھ، بھولا بھالا۔ لذت آزار: وہ لذت جو آزار سے حاصل ہوئی ہو۔ وہ لطف جو درد و کرب برداشت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ خارم کن: مجھے کانٹا بنادے۔ چارہ: میرا چارہ گر، وہ شخص جو میرے درد کا مداوا کرنا چاہتا ہے۔

(میرا ہمدرد) اتنا سادہ ہے کہ اس بے چارے کو یہ معلوم ہی نہیں کہ زجر و زحمت میں کتنا لطف آتا ہے۔ (یا اللہ) تو مجھے کانٹا بنادے اور اس شخص کی راہ میں مجھے بکھیر دے جو میرے درد کا مداوا کرنا چاہتا ہے۔

توضیح: شاعر درد و کرب کا اس قدر خوگر ہو چکا ہے کہ اب درد اس کے لیے باعث آزار و زحمت نہیں بلکہ اس میں مبتلا ہو کر وہ لطف و لذت محسوس کرتا ہے۔ شاعر کو اپنے چارہ گر کی حالت پر رحم آرہا ہے اور وہ دعا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تو مجھے کانٹا بنا کر میرے چارہ گر کے راستے میں ڈال دے تاکہ اسے بھی یہ اندازہ ہو سکے کہ آزادی میں کیا لذت ہے۔

~~~~~~~~~~

خوں قطرہ قطرہ می چکد از چشم تر ہنوز
نگسستہ ایم بخیۂ زخمِ جگر ہنوز

قطرہ قطرہ: بوند بوند۔ چکد: (از مصدر چکیدن: ٹپکنا) ٹپک رہا ہے۔ نگسستہ ایم: (از مصدر گسستن: توڑنا) ہم نے نہیں توڑا ہے۔ ہنوز: ابھی، ابھی تک۔ بخیہ: سیون۔

خون، بوند بوند بن کر ابھی سے ہی چشم سے تر ٹپکنے لگا ہے (در حالیکہ) ہم نے زخم جگر کے ٹانکوں کو ابھی توڑا نہیں ہے۔

توضیح: زخم جگر کی بخیہ کاری اس مقصد سے کی گئی تھی کہ اس کا خون بہنا بند ہو جائے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ خون زخم جگر سے رسنے کے بجائے آنکھوں سے ٹپکنے لگا ہے۔ یہ کیفیت تو اس وقت ہے جب کہ زخم کے ٹانکوں کو ہم نے توڑا نہیں ہے اور جس وقت ہم جوش جنوں میں آکر انھیں یک لخت توڑ ڈالیں گے تو معلوم نہیں کہ زخمِ جگر کی کیا حالت ہوگی۔

ای سنگ برتو دعویٰ طاقت مسلم است
خودرا نہ دیدہ ای بہ کفِ شیشہ گر ہنوز

دعویٰ طاقت: طاقت کا دعویٰ، زورمندی کا مان۔ مسلم: تسلیم کیا ہوا، مانا ہوا۔ شیشہ گر: شیشہ ساز۔

اے پتھر اگر تو اپنے طاقتور ہونے کا دعا کرے تو بجا ہے کیوں کہ یہ تسلیم شدہ امر ہے۔ مگر تو نے ابھی تک خود کو شیشہ ساز کے ہاتھ میں نہیں دیکھا ہے۔

توضیح: شیشہ ایک خاص قسم کے سنگوارے (ORE) سے بنتا ہے۔ شاعر اسی پتھر
~~~~~~~~~~

(سنگوارے) سے کہہ رہا ہے کہ تو جو اپنے زور مند ہونے کا دعوا کر رہا ہے وہ بجا ہے کیوں کہ وہ امر مسلم ہے مگر تو ابھی تک شیشہ ساز کے ہاتھ نہیں لگا ہے۔ جس دن تو اس کے ہاتھ آگیا تو وہ تجھے تیشے سے چکنا چور کر کے بھٹی میں جھونک دے گا جہاں پگھل کر تو شیشے میں تبدیل ہو جائے گا۔ شعر میں مرکزی خیال یہ ہے کہ ابھی اونٹ پہاڑ تلے نہیں آیا ہے۔

~~~~~~~~~~

باہمہ گم گشتگی خالی بود جایم ہنوز
گاہ گاہے درخیال خویش می آیم ہنوز

گم گشتگی: (از مصدر گشتن) بیگانگی۔ باہمہ گم گشتگی: تمام گم گشتگی کے باوجود، تمام بے گانگی کے باوجود، تمام از خود رفتگی کے باوجود۔

تمام بے گانگی و خود رفتگی کے باوجود میری جگہ اب بھی خالی ہے اور کبھی کبھی اب بھی مجھے اپنا خیال آ ہی جاتا ہے۔

تاسرِ خارِ کدامیں دشت در جاں می خلد
کز ہجوم شوق می خارد کفِ پایم ہنوز

سر خار: کانٹے کا سرا، کانٹے کی نوک۔ کدامیں: کون۔ خلد: (از مصدر خلیدن: کھٹکنا) کھٹکتا ہے۔ خارد: (از مصدر خاریدن: خلش ہونا)۔ کفِ پایم: میری پانوں کا تلوا۔ میرے پیر کا تلوا۔

یہ کس صحرا کی نوک خار میری جان میں خلش پیدا کیے ہوئے ہے کہ شوق کی کثرت کے باعث اب بھی میرے کفِ پا میں خلش ہو رہی ہے۔

توضیح: (یہ عام خیال ہے کہ پیر میں کھجلی ہونے لگے تو کوئی سفر درپیش ہوتا ہے) شاعر نے اتنے دشت چھانے ہیں کہ اب اسے یہ یاد ہی نہی کہ وہ کس کس دشت کے چکر لگا چکا ہے۔ نہ جانے وہ کس دشت سے گذر رہا تھا کہ اس کی جان میں نوکِ خار چبھی جو اب تک کھٹک رہی ہے اور اس کی خلش اس قدر لذت بخش ثابت ہوئی کی کثرت شوق کے باعث اس کے پیر میں اب تک تلملاہٹ ہو رہی ہے۔ چناں چہ اس کی یہ آرزو ہے کہ وہ پھر اسی دشت میں جائے اور اس کے پیروں میں کانٹوں کی نوکیں کھٹکیں اور وہ ان سے لطف اندوز ہو۔
~~~~~~~~~~

ہم رہاں در منزل آرامیدہ و غالبؔ زِضعف

پابروں نارفتہ از نقشِ کف پایم ہنوز

ہم رہاں: مخفف ہمراہاں: سفر کے ساتھی، ہم سفر۔ منزل: اترنے کی جگہ۔
آرامیدہ: (از مصدر آرامیدن: آرام پانا، استراحت کرنا) ضعف: کمزوری، ناتوانی۔
نقش کف پا: پیر کی چھاپ، پیر کے نشان۔

جو لوگ ہم سفر تھے وہ اب منزل پر پہنچ کر آرام کر رہے ہیں لیکن غالبؔ میں نے کمزوری و ناتوانی کے باعث اپنا قدم اپنے نقش پا سے باہر نہیں نکالا ہے۔

توضیح: حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہے:

کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز

باشد کہ باز بینم آن یار آشنارا

(ہماری کشتی تو شکستہ ہے اے موافق ہوا چل۔ شاید ہم دوبارہ اس تیر اک دوست سے ملاقات کر سکیں)

~~~~~~~~~~

آرایش زمانہ زبیداد کردہ اند

ہر خوں کہ ریخت، غازۂ روے زمیں شناس

آرایش: زیبائی، سجاوٹ، رونق۔ ریخت: (از مصدر ریختن: بہنا)۔ غازہ: گلاب کی پتیوں کا سفوف، گلگونہ۔ شناس: (از مصدر شناختن: پہچاننا، جاننا، سمجھنا) جان، سمجھ۔

زمانے کی آرایش و زیبائش لوگوں نے ظلم و ستم سے کی ہے۔ چناں چہ جو بھی خون بہایا گیا ہے تو اسے سطح زمین کا گلگونہ جان۔

توضیح: اسی خیال کو عمر خیام نے ایک رباعی میں پیش کیا ہے:

در ہر دشتے کہ لالہ زارے بودہ است   آں لالہ زخون شہریارے بودہ است
~~~~~~~~~~

ہر برگ بنفشہ کز زمین می روید　　خالیست کہ بر رخ نگارے بودہ است

(ہر صحرا میں جہاں کہیں کوئی لالہ زار رہا ہے۔ وہاں وہ لالہ کسی ملک کے حکمراں کا کبھی خون تھا۔ ہر برگ بنفشہ جو زمین پر اگتا ہے۔ یہ وہ خال ہے جو کسی نازنین کے چہرے پر تل بن کر رہ چکا ہے)۔

ہر کجا غالبؔ تخلص در غزل بینی مرا
می تراش آں را و مغلوبے بہ جایش می نویس

غالب: فاتح، غلبہ پایا ہوا، زبردست، بالادست۔ تخلص: خلاص پانے کی جگہ، چھٹکارا، بچاؤ، وہ مختصر نام جو شاعر معمولاً غزل کے آخری شعر میں استعمال کرتا ہے، یعنی یہ وہ شعر ہے جہاں اس نے کلام کہنے سے خلاصی پائی ہو۔ تراش: (از مصدر تراشیدن: چھیلنا، کھرچنا)۔ مغلوبے: کوئی مغلوب، کوئی مفتوح، کوئی ایسا شخص جس پر غلبہ پالیا گیا ہو۔ نویس: (از مصدر نوشتن: لکھنا) لکھ۔

جہاں کہیں تو غزل میں میرا تخلص "غالبؔ" دیکھا کرے تو اسے تو گزلک سے کھرچ کر صاف کر دیا کر اور اس کی جگہ تو "مغلوبے" (کوئی مغلوب) لکھ دیا کر۔

خوشا حالم تن آتش، بستر آتش
سپندے کو کہ افشانم بر آتش

خوشا: کتنا عمدہ ہے، کتنا اچھا ہے۔ حالم: میرا حال۔ تن: بدن، جسم۔ بستر: بچھونا۔ آتش: آگ۔ سپند: کالا دانہ۔ افشانم: (از مصدر افشاندن: چھڑکنا) چھڑکوں۔

میرا حال کیسا ہے کہ جسم بھی آگ ہے اور بچھونا بھی آگ۔ کہاں ہے وہ سپند جسے میں آگ پر بکھیر سکوں۔

توضیح: آگ پر کالا دانہ جلانے کا رواج اتنا ہی قدیم ہے جتنا زرتشتی مذہب، اس کا استعمال ان

کی عبادات میں شامل ہے۔ کہا جاتا ہے کالے دانے کی دھونی سے پتنگے اور بھنگے بھاگ جاتے ہیں اور فضا بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ جب کالا دانہ آگ پر ڈالا جاتا ہے تو وہ چیخ کر اچھلتا ہے جسے میرزا غالب نے حالتِ اضطراب سے تعبیر کیا ہے۔ اس شعر میں وہ طنزیہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تم میری حالت خوشی و خرمی کو دیکھو گے تو رشک کرو گے۔ میری مسرت و شادمانی کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ میرا جسم آگ کی طرح جل رہا ہے اور بستر ایسا گرم ہے کہ میں اس پر تڑپ رہا ہوں، میرے اضطراب و بے چینی کا یہ عالم ہے کہ یہ کیفیت تو کالے دانے کی بھی آگ پر نہ ہوئی ہو گی۔ پھر وہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا کالا دانہ ہو جو میری طرح آگ پر تڑپ سکے تو لاؤ۔ یعنی انھیں یقین ہے کہ جس طرح وہ مضطرب و بے چین ہیں اتنا تو آگ پر جل کر کالا دانہ بھی نہ ہوتا ہو گا۔

به خلد ار سردیِ هنگامه خواهم
به افروزم به گردِ کوثر آتش

خلد: ہمیشہ رہنے کی جگہ، جنت، بہشت۔ ار: اگر کا مخفف۔ سردی: کسادی، پژمردگی۔ هنگامه: گہما گہمی، گرما گرمی۔ سردی هنگامه: ہنگامے کی پژمردگی۔ بر افروزم: (از مصدر افروختن: بھڑکانا) روشن کروں، بھڑکاؤں۔ کوثر: وہ جگہ جہاں کثرت سے پانی ہو، ایک حوض کا نام جو جنت میں ہے۔

جنت میں اگر میں یہ چاہوں کہ وہاں کی گہما گہمی میں پژمردگی و سستی آجائے تو حوضِ کوثر کے گرد میں آگ روشن کروں گا۔

توضیح: میدانِ حشر میں آفتاب سوا نیزے پر ہو گا۔ لوگوں کے اعمال نامے انھیں پیش کیے جائیں گے، جو لوگ یوم حساب سے گذر کر جنت میں داخل ہوں گے وہ پیاس سے تڑپ رہے ہوں گے اور تشنگی کو دور کرنے کے لیے حوض کوثر پر جمع ہوں گے جہاں عجب رونق ہو گی اس رونق اور گہما گہمی کو کم کرنے کے لیے میں حوضِ کوثر کے گرد آگ روشن کر دوں گا اور اہل جنت اس جگہ سے فرار کرنے لگیں گے کیوں کہ وہ سمجھیں گے کہ کہیں یہ آتش دوزخ نہ ہو۔

بسان موج می بالم به طوفاں
به رنگ شعله می رقصم در آتش

بسان: مثل، مانند۔ بالم: (از مصدر بالیدن: بڑھنا) بڑھتا ہوں۔ بہ رنگ شعلہ: شعلے کی طرح، مثل شعلہ۔ رقصم: (از مصدر قصیدن: ناچنا) میں ناچتا ہوں۔ (فہمیدن کی طرح "رقصیدن" بھی مصدر جعلی ہے)۔

میں موج کی طرح طوفان کے ساتھ جوش مارتا ہوں۔ اور شعلے کی مانند میں آگ میں رقص کرتا ہوں۔

قمر در عقرب و غالبؔ بہ دہلی
سمندر در شط ماہی در آتش

سمندر: ایک کیڑا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آگ میں ہی پیدا ہوتا ہے اور اسی میں مر جاتا ہے۔ شط: سمندر، بحر۔ ماہی: مچھلی۔

چاند (برج) عقرب میں اور غالبؔ دہلی میں۔ سمندر (کیڑا) سمندر (بحر) میں اور مچھلی آگ میں۔

توضیح: میرزا غالبؔ خود کو دہلی میں بہت زیادہ مضطرب محسوس کرتے تھے چناں چہ ان کی اس شہر میں یہ حالت تھی گویا چاند برج عقرب میں ہو یا سمندر (کیڑا) آگ میں سے نکال کر سمندر (بحر) میں ڈال دیا گیا ہو یا مچھلی کو آگ میں پھینک دیا گیا ہو۔

دود سودائے تتق بست، آسماں نامیدش
دیدہ برخواب پریشاں زد، جہاں نامیدش

دود: دھواں۔ سودائے: سیاہ رنگ کا۔ تتق: دایرہ نما خیمہ، چادر، پردہ، سراپردہ۔ نامیدش: من آسمان نامیدم: میں نے اس کو آسمان کا نام دیا، میں نے اس کا نام آسمان رکھا۔ دیدہ: آنکھ۔ خوابِ پریشاں: برا خواب، بے چینی کی نیند۔

سیاہ دھواں پردے کی طرح چھا گیا اور میں نے اس کا نام آسمان رکھ دیا۔ آنکھوں نے کوئی برا خواب دیکھا اور میں نے اس کا نام دنیا رکھ دیا۔

قطرۂ خونے گرہ گردید دل دانستمش
موج زہرابے بہ طوفاں زد زباں نامیدش

قطرۂ خونے: خون کا قطرہ۔ گرہ گردید: جم کر گرہ بن گیا۔ دانستمش: من اور او را انستم: میں نے اسے جانا۔ زہرابے: زہریلا پانی۔ بہ طوفان زد: طوفان سے ٹکرایا۔

خون کا قطرہ گرہ بن گیا ہے میں نے جانا کہ یہ دل ہے۔ زہریلے پانی کی موج طوفان سے جا ٹکرائی میں نے اس کا نام زبان رکھ دیا۔

غربتم ناساز گار آمد وطن فہمید مش
گرد تنگی حلقۂ دام آشیاں نامیدش

غربت: پردیس، وطن سے دوری۔ ناساز گار: ناموافق۔ فہمیدمش: من اور افہیدم: میں نے اسے جانا، میں نے اسے سمجھا۔ دام: جال۔ حلقۂ دام: جال کا پھندا۔

پردیس مجھے راس نہ آیا میں نے اسے وطن سمجھ لیا۔ جال کا پھندا تنگ ہو گیا، میں نے اس کا نام آشیانہ رکھ دیا۔

ہرچہ از جاں کاست در ہستی بہ سود افزود مش
ہوچہ بامن ماند از ہستی زیاں نامیدمش

کاست: (از مصدر کاستن: گھٹنا، کم ہونا) کم ہوا، گھٹا۔ سود: فایدہ، منافع۔ افزودمش: (از مصدر افزودن: زیادہ کرنا، بڑھانا، اضافہ کرنا) میں نے اضافہ کیا، میں نے بڑھایا۔ ماند: (از مصدر ماندن: رہنا) رہ گیا، بچ گیا۔ زیاں: نقصان، گھاٹا۔

(عالم) ہستی میں جو کچھ جان سے کم ہوا اس کا اضافہ میں نے سود سے (فائدہ) کر دیا۔ ہستی سے جو کچھ باقی بچ گیا اسے میں نے زیاں (نقصان) کا نام دیا۔

توضیح: اہل تصوف کا یہ عقیدہ ہے کہ روح کی جلاو صفائی کے لیے جسم کو جس حد تک ممکن ہو سکے ایذا و تکلیف کے ذریعے کم کیا جائے۔ میرزا غالب اس معاملے میں صوفیہ سے بھی کہیں آگے نکل گئے اور انھوں نے نہ صرف جسم کو کم کرنے کی بات کہی بلکہ انھوں نے یہ بھی کوشش کی کہ جان کو بھی جہاں تک ممکن ہو سکے کم کیا جائے۔ چناں چہ عالم ہستی میں ان کی جان سے جس چیز کی کمی واقع ہوئی اس کا اضافہ انھوں ان نے منفعت پر کر دیا۔ اور ان

کے وجود (ہستی) سے جو کچھ بچ رہا اس کو انھوں نے نقصان سے تعبیر کیا۔ بظاہر میرزا غالبؔ نے عرفی شیرازی کے اس مطلعِ قصیدہ سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا ہے:

اے متاعِ درد در بازارِ جاں انداختہ

گوہرِ ہر سود در جیبِ زیاں انداختہ

[اے (خداوند تعالیٰ) تو نے درد (عشق) کے سرمایے کو جان کے بازار میں لگا دیا۔ اور منفعت کے ہر گوہر کو تو نے نقصان کی جیب میں ڈال دیا]

تانہم بروے سپاسِ خدمتے از خویشتن

بود صاحب خانہ اما میہماں نامیدش

نہم: (از مصدر نہادن: رکھنا) میں رکھوں۔ بروے: اس پر۔ سپاس: احسان۔ خدمتے: کوئی خدمت، کسی قسم کی خدمت۔ خویشتن: اپنا۔

اگرچہ وہ صاحب خانہ تھا مگر میں نے اس کو مہمان سے تعبیر کیا تاکہ اپنی جانب سے اس کی کوئی خدمت انجام دے کر میں اس پر احسان رکھ سکوں۔

بود غالبؔ عندلیبے از گلستانِ عجم

من زِ غفلت طوطیِ ہندوستاں نامیدش

غالب تو گلستانِ عجم کا بلبل تھا۔ مگر میں نے نادانی سے اس کا نام طوطیِ ہندوستاں رکھ دیا۔

اس شعر کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ اگرچہ میرزا غالبؔ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور اس ملک کی فضا میں انھوں نے پرورش پائی مگر فارسی شعر گوئی میں مقامی اثرات کو قبول کرنے سے گریز کیا۔ انھوں نے کبھی ایران یا ترکستان کا سفر بھی نہیں کیا مگر سخن سرائی میں انھوں نے وہی فضا برقرار رکھی جو شعرائے عجم کا خاصہ رہی ہے چناں چہ انھیں اس بات پر فخر ہے کہ وہ طوطیِ ہندوستاں نہیں بلکہ بلبلِ عجم ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ امیر خسرو کو طوطیِ ہند کہا جاتا ہے اور عرفی نے خود کو بلبلِ شیراز کہا ہے۔ اور چوں کہ انھوں نے عرفی کے کلام کا تتبع بیشتر کیا ہے اسی لیے انھیں اس بات پر فخر ہے کہ وہ کسی بھی اعتبار سے اس عجمی شاعر سے کمتر نہیں۔

فارسی بیں

(غالب کا منتخب فارسی کلام مع ترجمہ)

انتخاب : نیر مسعود

ترجمہ : یونس جعفری

ذوقِ فکر غالبؔ را بردہ ز انجمن بیروں
با ظہوری و صائب محوِ ہم زبانی ہاست

چوں عکسِ پُل به سیل به ذوق بلا برقص
جارا نگاه دار و ہم از خود جدا برقص

سیل: پانی کی طغیانی۔ نگاہ دار: (از مصدر داشتن: رکھنا) قائم رکھ، برقرار رکھ۔ برقص: (از مصدر جعلی رقصیدن: ناچنا) ناچ، رقص کر۔ ذوق بلا: آفت و مصیبت کی یورش میں لذت۔

پل کی طرح پانی کی طغیانی کے ساتھ بلاؤں کی یورش میں رقص کر۔ اپنی جگہ قایم رہ، مگر خود سے علاحدہ رقص کر۔

توضیح: پل اپنی جگہ قایم رہتا ہے مگر اس کا سایہ پانی پر پڑتا رہتا ہے اور جب دریا میں طغیانی آتی ہے تو پل کا سایہ پیچ و تاب کھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ جسے میرزا غالب نے رقص سے تعبیر کیا ہے۔ پانی کی طغیانی مصیبت و بلا ہے مگر اس آفت و مصیبت میں گرفتار رہ کر بھی سایہ خوشی و خرمی کے ساتھ محو رقص رہتا ہے۔ پُل اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا مگر لہروں پر اس کا سایہ متحرک نظر آتا ہے اور یہی اس کا رقص ہے۔ گویا پل اپنی جگہ قائم رہ کر بھی خود سے علاحدہ و جدا رقص کرتا رہتا ہے۔

نبود وفاے عہد، دمے خوش غنیمت است
از شاہداں به نازشِ عہدِ وفا برقص

دمے: ایک دم، مختصر مدت۔ دمے خوش: وہ آن جس میں مسرت و شادمانی میسر آجائے۔ شاہداں: جمع شاہد: اہل حسن، خوبصورت لوگ، معشوق۔ نازش: (حاصل مصدر از نازیدن: فخر کرنا) فخر۔

زمانہ پاس وفا میں استوار و پایدار نہیں کیوں کہ یہ تندی و شدت گذرتا رہتا ہے مگر اس وعدے پر جو بھی دم خوشی و خرمی سے گذر جائے اسے غنیمت جان۔ معشوقوں نے جو عدہ وفا کیا ہے (اگرچہ اس میں ثبات نہیں) اس پر فخر و ناز کرتے ہوئے تو رقص کر۔

ذوقے است جستجو چه زنی دم زقطع راه
رفتار گم کن و به صداے درا برقص

ذوقے: وہ چیز جو سیکھنے سے نہیں آتی بلکہ جبلی طور پر ہوتی ہے۔ جستجو: تلاش۔ چہ زنی دم: چہ دم می زنی: (از مصدر زدن: مارنا) تو کیا شیخی بگھارتا ہے، تو کیا لاف و گزاف کی باتیں کرتا ہے، کیا ڈینگ مارتا ہے۔ قطع راہ: سفر طے کرنا، سفر طے کرنے کی حالت۔ گم کن: (از مصدر کردن: کرنا) گم کردے، کھودے۔ درا: گھنٹی، وہ گھنٹی جو اونٹ کے گلے میں بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ جس کی دھن پر اونٹ راستہ طے کرتے ہیں۔

تلاش و جستجو جبلی و فطری امر ہے۔ راستہ طے کرنے کی تو کیا ڈینگ مار رہا ہے۔ اپنی چال گم کردے (اور جیسے ہی گھنٹی کی آواز تیرے کانوں تک آئے) تو حالت رقص (یعنی حرکت و عمل) میں آجا۔

در عشق انبساط به پایاں نمی رسد
چوں گرد باد خاك شو ودر ہوا برقص

انبساط: کھلنا، پھیلنا، خوشی، مسرت، شادمانی۔ پایاں: انتہا، انجام۔ به پایاں نمی رسد: (از مصدر رسیدن: پہنچنا) ختم نہیں ہوتا۔ گردباد: بگولا، گرد و غبار کا بھنور۔ خاك شو: (از مصدر شدن: ہونا) خاک ہو جا، گرد و خاک بن جا۔ ہوا: فضا۔

عشق و محبت میں مسرت و شادمانی کی کبھی انتہا نہیں ہوتی۔ تو (بھی) گرد و خاک کا بگولا بن جا اور فضا میں رقص کر۔

فرسوده رسم ہائے عزیزاں فرو گذار
در سور نوحه خوانی و به بزم عزا برقص

فرسوده: (از مصدر فرسودن: گھسنا، پرانا ہونا) پرانا، گھسا پٹا۔ رسم ہا: جمع رسم: رواج، چلن۔ عزیزاں: جمع عزیز: محبوب، دوست، پیارا، دل پسند۔ فرو گذار: (از مصدر فروگذاشتن: ترک کرنا) ترک کردے، چھوڑ دے۔ سور: خوشی، مسرت و شادمانی۔ نوحه: بین، گریہ، زاری، ماتم۔ نوحه خواں: (از مصدر خواندن: پڑھنا) نوحہ پڑھ۔ عزا: ماتم پرسی، مصیبت پر صبر۔

دوستوں کی پرانی رسومات کو تو ترک کردے۔ خوشی کی محافل میں نوحہ پڑھ اور ماتم و عزاداری کی مجالس میں رقص کر۔

توضیح: تنوع و جدت پسندی انسانی فطرت کا خاصہ ہیں چناں چہ میرزا غالبؔ بھی تنوع و تبدیلی کے دلدادہ ہیں وہ روایات کی پابندی کے خلاف ہیں اور چاہتے ہیں کہ انھیں یکسر بدل دیا جائے۔ چنانچہ جہاں غم و ماتم منایا جارہا ہو وہاں خوشی میں مست ہو کر جھومنے لگو اور جہاں کہیں محفلِ مسرت و انبساط ہو وہاں بین شروع کر دو یعنی بے وقت کی راگنی بجاؤ۔

~~~~~~~~~~

گوئی کہ ہاں وفا، کہ وفا بودہ است شرط
آرے ہمیں زجانبِ ما بودہ است شرط

ہاں: یہ حرف تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ احتمال ہے کہ میرزا غالب نے یہاں بطور استعجاب استعمال کیا ہو۔ بودہ است: رہا ہے۔ ہمیں: یہی۔ زجانب ما: از جانب ما: ہماری طرف سے۔

تو (تعجب سے) پوچھتا ہے۔ کیا وفا؟ (کیسی وفا؟) مگر یہ شرط کب رہی ہے۔ ہاں! ہماری طرف سے تو یہی شرط رہی ہے۔

توضیح: شاعر معشوق کو یاد دلانا چاہتا ہے کہ ہماری دوستی کے عہد و پیاں میں وفاشعاری شامل تھی۔ اس پر معشوق کو تعجب ہوتا ہے اور وہ اس بات کو تاکید کے ساتھ کہتا ہے کہ تو کس وفا کی بات کر رہا ہے۔ کیا ہمارے درمیان کوئی ایسی شرط رہی ہے۔ اس پر شاعر اصرار کے ساتھ جواب دیتا ہے کہ ہماری جانب سے تو یہی شرط تھی کہ وفاشعاری کا ہر حال میں پاس رکھا جائے گا۔

ہے ہے نہ یاد داشت نخستینہ شرط بود
گفتی ز یاد رفت چہا بودہ است شرط

ہے ہے: (ہی ہی) ہائے افسوس، واویلا۔ نہ یاداشت: (از مرکب یاداشتن: یاد رکھنا) اسے یاد نہ تھا۔ نخستینہ: اولین، سب سے پہلی۔ نخستینہ شرط: سب سے پہلی شرط۔ زیاد رفت: ذہن سے اتر گیا، یاد نہ رہا۔ چہا: جمع چہ: کیا۔

ہائے افسوس کہ تجھے یہ یاد ہی نہیں کہ سب سے پہلی شرط کیا تھی (اسی لیے) تو نے خود ہی تو کہا ہے کہ مجھے یہ یاد ہی نہیں کہ کیا شرطیں رہی رہیں۔
~~~~~~~~~~

توضیح: معشوق کو شاعر یاد دلا رہا ہے کہ اس کے اور معشوق کے درمیان کیا شرائط عہد و پیمان مقرر ہوئے تھے۔ ان میں سب سے پہلی شرط تو یہی تھی کہ پاس عہد وفا کیا جائے گا۔ مگر شاعر کو اس بات کا سخت افسوس ہے کہ معشوق کو یہ بھی یاد نہیں کہ سب سے پہلی شرط کیا تھی۔ جب شاعر نے اسے یاد دلانا چاہا تو اس نے سرد مہری سے جواب دیا کہ شرائط تو بہت سی تھیں مگر اب ان میں سے مجھے کوئی بھی قطعی یاد نہیں۔

گرم است دم به ناله، سرشکے فرو ببار
پاکی پۂ بساطِ دعا بوده است شرط

دم : سانس۔ ناله : فغاں، آہ و بکا کے ساتھ گریہ وزاری۔ سرشك : آنسو۔ سرشك فروببار: (از مصدر باریدن : برسنا، برسانا) آنسو گرا، آنسو ٹپکا۔ پاکی : پاکیزگی، صفائی، نجاست و کثافت سے دوری۔ پۓ : پے، لیے، واسطے۔ بساط: بچھائی جانے والی چیز، فرش، بچھونا، جانماز۔ دعا: خواہش، مراد، درخواست، التجاء، خدا سے مانگنا۔

اس وقت گریہ و فغاں کی وجہ سے سانسوں میں گرمی وحدت پیدا ہو گئی ہے ایسے میں تو چند قطرے آنسو بہالے۔ کیوں کہ دعا کے لیے بساط (جانماز) بچھاتے وقت ضروری ہے کہ انسان پاک و صاف ہو۔

تا نگذرم ز کعبه چه بینم که خود ز دهر
رفتن ز کعبه روبه قضا بوده است شرط

نگذرم: (از مصدر گذشتن: گذرنا) گذرنا جاؤں، پاس سے ہو کر نہ چلا جاؤں۔ کعبه: ابھری ہوئی چیز۔ ایسا مکان جو ہر جانب سے مربع ہو۔ مکہ معظمہ میں وہ مقام جس کی جانب رخ کر کے مسلمان عبادت خداوندی کرتے ہیں، بیت اللہ۔ چه بینم : (از مصدر دیدن: دیکھنا) کیا دیکھوں، کیا پاؤں۔ دهر: صنم کدہ، بت خانہ۔ قضا: گدی، کمر کی جانب گردن کا حصہ۔ روبه قضا: پیچھے کی طرف رخ، مڑ کر دیکھنے کا عمل۔

جب تک میں کعبے سے نہ گذر جاؤں تو بتخانے کے بارے میں کیا جان سکوں گا۔ خانۂ خدا (کعبہ) سے روانہ ہوتے وقت ضروری ہے کہ پلٹ کر (کعبے کی جانب) دیکھا جائے۔

توضیح: عظمت کعبہ کو اس وقت سمجھا جا سکتا ہے جب آدمی وہاں سے گذر کر کسی صنم کدے کی

جانب بھی رخ کرے۔ بالفاظ دیگر توحید و یکتا پرستی کی اہمیت اسی وقت آدمی جان سکتا ہے۔ جب وہ اس منزل سے گذر کر ان بتکدوں میں بھی جائے جہاں چند دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ توحید پرستی پر قائم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد بتکدوں کی جانب رخ کرتا رہے تاکہ اس کا ایمان وحدانیت و یکتا پرستی پر مزید پختہ ہو سکے۔ حاصل کلام یہ کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

غالبؔ به عالمے که توای خونِ دل بنوش

از بہرِ باده برگ و نوا بوده است شرط

عالمے که: وہ عالم جو کہ، وہ حالت و کیفیت جو کہ۔ توای: تو ہے۔ بنوش: (از مصدر نوشیدن: پینا)۔ پی خونِ دل بنوش: خون جگر پی۔ خود ہی غم و غصہ برداشت کر۔ برگ و نوا: سازوسامان، سامان عیش و طرب۔

غالبؔ تو جس عالم کیفیت میں ہے اس میں تو اپنا خون دل (خون جگر) پی۔ کیوں کہ شراب پینے کے لیے سامان عیش و نشاط کا ہونا ہمیشہ ضروری رہا ہے۔

~~~~~~~~~~~

مرا که باده نه دارم ز روزگار چه حظ؟

ترا که ہست و نیا شامی از بہار چه حظ؟

روز گار: زمانہ، موسم، فصل۔ حظ: لذت، لطف، مزہ۔ نیا شامی: (از مصدر آشامیدن: پینا) تو نہیں پیتا، تو نہ پیے۔

میرے پاس شراب نہیں ہے اسی لیے زمانے سے مجھے کیا لطف و لذت؟ تیرے پاس (شراب) ہے اور تو نہ پیے تو تجھے موسم بہار سے کیا لطف و لذت؟

توضیح: حضرت شیخ سعدیؒ "گلستان" کے باب ہشتم میں فرماتے ہیں:

"دو کس رنج بیہودہ بردند و سعی بے فائدہ کردند یکے آنکہ اندوخت و نخورد و دیگر آنکہ آموخت و نکرد"

(دو آدمیوں نے بیکار زحمت برداشت کی، ان میں سے ایک وہ ہے جس نے مال جمع کیا اور نہ کھایا۔ دوسرا وہ جس نے علم سیکھا اور اسے
~~~~~~~~~~~

عمل میں نہ لایا۔)

چمن پراز گل و نسریں و دلربایے نیے
به دشتِ فتنه ازیں گردِ بیے سوار چه حظ؟

چمن : باغ، سبزہ زار۔ گل: پھول۔ نسرین: سیوتی کا پھول۔ دلربا: (از مصدر ربودن: اڑالے جانا) وہ شخص جو اپنی خوش ادائی سے کسی کا دل چھین کر لے جائے، مجازاً معشوق۔ نیے : نہیں۔ دشت: میدان، جنگل۔ فتنه: شوروغوغا۔

چمن تو گل و نسریں سے بھرا ہوا ہے مگر اس میں کوئی دلربا نہیں۔ میدان فتنہ و غوغا میں اس گرد و غبار سے کیا لذت و فائدہ جو کسی سوار کے گزرے بنااڑ رہا ہو۔

درآں چه من نتوانم ز احتیاط چه سود؟
بداں چه دوست نه خواهد ز اختیارچه حظ؟

چه: کیا۔ چه سود: کیا فایدہ۔ نه خواهد: (از مصدر خواستن: چاہنا) نہیں چاہتا۔

اس سے مجھے کیا جس میں میں کچھ کر نہیں سکتا۔ اور جب میں کچھ نہیں کر سکتا تو پھر اس کام میں احتیاط سے کیا فائدہ؟ مجھے اس سے کیا غرض جب دوست نہیں چاہتا۔ اور جب دوست نہیں چاہتا تو اختیار سے کیا لطف و لذت؟

توضیح: میرزا غالبؔ نے یہاں مسئلہ جبر و اختیار کے بارے میں بحث کی ہے جس کام کو میں نہیں کر سکتا تو مجھے اس سے کیا سروکار اور اس میں احتیاط سے کیا فائدہ میں تو کسی کام کو انجام دینا چاہتا ہوں مگر دوست (خداوند تعالیٰ) نہیں چاہتا، تو اس اختیار سے مجھے کیا لطف و لذت؟

چنیں که نخل بلند است و سنگ ناپیدا
زمیوه تا نه فتد خود ز شاخسار چه خط؟

چنین: ایسا۔ نخل کھجور کا پیڑ، مگر فارسی میں عام درخت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ بلند : اونچا۔ سنگ: پتھر۔ میوه : پھل۔ ناپیدا: غائب۔ نه فتد: نہ افتد: نیا فتد: (از مصدر افتادن: گرنا، پڑنا) نہ گرے۔ شاخسار: وہ درخت جس میں کثرت سے شاخیں ہوں۔

ظاہر امیر زا غالبؔ کے مد نظر حافظ شیرازی کا یہ مصرع جواب ضرب المثل بن چکا ہے:
"دست ما کوتاه و خرما بر نخیل" (ہمارا ہاتھ تو چھوٹا ہے اور کھجور پیڑ پر) یعنی مجبوری یہ ہے کہ پیڑ بہت اونچا ہے اور کہیں پتھر بھی نظر نہیں آتا کہ اس سے ہی پھل کو توڑ لیا جائے۔ اب تو پھل سے اسی وقت لذت حاصل کی جا سکتی ہے جب وہ شاخوں سے الجھتا ہوا زمین پر گرے۔

تا رغبتِ وطن نه بود از سفر چه سود؟
آن را که نیست خانه به شہر از خبر چه حظ؟

رغبت: رجحان، میلان، آرزو۔

جب تک وطن کی جانب رجحان و میلان نہ ہو تو سفر سے کیا لطف؟ جس کا گھر ہی شہر میں نہ ہو تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ اس شہر کی کسی اچھی یا بری خبر میں کوئی دل چسپی لے۔

درہم فگنده ایم دل و دیده را ز رشك
چوں جنگ باخود است زفتح و ظفر چه خط؟

درہم: منتشر، پراگندہ۔ فگنده ایم: (از مصدر افگندن) ہم نے پھینک دیا ہے۔
رشك: رقابت، ملال۔

ہم نے دیدہ و دل کو رشک کے باعث منتشر و پراگندہ کر دیا ہے۔ جب جنگ خود سے ہی ہے تو کامیابی و فتح مندی سے کیا لطف و لذت؟

دل ہائے مرده را به نشاطِ نفس چه کار؟
گل ہائے چیده راز نسیمِ سحر چه خط؟

دل ہائے مرده: وہ دل جو مر چکے ہوں۔ نفس: سانس، دم۔ چه کار؟: کیا کام؟ چیده: (از مصدر چیدن: چننا) چنے ہوئے۔ گل ہائے چیده: وہ پھول جو شاخ سے چن لیے گئے ہوں۔

وہ دل جو مر چکے ہوں انھیں سانس کی لذت سے کیا سروکار۔ وہ پھول جو (شاخوں پر سے)

چمن لیے گئے ہوں انھیں نسیم سحر سے کیا لطف و لذت؟

شادم کہ بر انکارِ من شیخ و برہمن گشتہ جمع
کز اختلاف کفر و دیں خود خاطرِ من گشتہ جمع

شادم: میں خوش ہوں، مسرور ہوں۔ انکار: ممانعت، رد قبولیت۔ شیخ: دیں دار شخص، اسلامی اقدار و احکام کا پابند۔ برہمن: پنڈت، ہندوں کے چار طبقوں میں سے سب سے اونچے درجے کا فرد۔ اردو و فارسی شاعری میں غیر اسلامی شعار و اقدار کا نمایندہ و نقیب۔ اختلاف: تنازع، جھگڑا۔ کفر: خلاف ایمان، ناشکری، خدائی ایمان سے دوری، وحدانیت سے انکار۔ دین: کیش، آئین۔ خاطر: دل، ضمیر۔ خاطر جمع گشتن: مطمئن ہو جانا، اطمینان حاصل ہو جانا۔

خوش ہوں کہ میرے انکار دین و کفر سے شیخ و برہمن دونوں یک جا جمع ہو گئے۔ یعنی اس کفر و ایمان کے قضیے سے خود میری طبیعت کو یکسوئی حاصل ہو گئی۔

مقتولِ خویشانِ خودم، جوئید خونریزِ مرا
زینان کہ برنعش من اند از بہرِ شیون گشتہ جمع

مقتول: جسے قتل کیا گیا ہو، کشتہ شدہ۔ خویشان: جمع خویش، اپنا قرابت دار، سگا۔ جوئید: از مصدر جستن، جوئیدن، ڈھونڈنا، تلاش کرنا، تلاش کرو۔ زیناں: جمع زیں: از ایں۔ ان میں سے۔ برنعش من اند: بر نعش مند: میری لاش پر ہیں۔ شیون: ماتم، آہ و زاری، گریہ و زاری۔ گشتہ جمع: اکٹھے ہوئے ہیں۔

میں اپنے ہی قرابت داروں کے ہاتھوں قتل کیا گیا ہوں۔ انہیں لوگوں میں سے میرے قاتل کو تلاش کرو جو میرے لاشے پر گریہ و زاری کر رہے ہیں۔

بہ خوں تپم بہ سرِ رہ گذر دروغ دروغ
نشاں دہم بہ رہت صد خطر دروغ دروغ

تپم : (از مصدر تپیدن یاطپیدن: تڑپنا) میں تڑپوں۔ رہ گذر: راستہ، گذرگاہ۔ سر رہ گذر: راستے کا کنارہ، حاشیۂ راہ۔ دروغ: جھوٹ، غیر حقیقی، باطل، غلط، بے اصل۔ نشاں دہم: (از مصدر نشان دادن: دکھانا، کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا، کسی چیز کو واضح و روشن کرنا) رہت: راہ تو: تیرا راستہ۔ صد خطر: سو خطرے۔

تری گذرگاہ کے کنارے میں خون میں تڑپتا ہوں یہ سراسر غلط و بے اصل ہے۔ میں ترے لیے راہ میں سو سو خطروں کی نشان دہی کروں یہ بھی محض باطل و بے حقیقت ہے۔

فریب وعدهٔ بوس و کنار یعنی چه؟
دهن دروغ دروغ و کمر دروغ دروغ

فریب: دھوکہ، مکر، دغا۔ یعنی چه؟: یعنی کیا، کیا معنی۔ دهن: منہ۔

منہ چومنے اور پہلو بہ پہلو بیٹھنے کا جو مجھ پر فریب وعدہ کیا جارہا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ میرے لیے منہ (کا وجود) محض بے بنیاد ہے اور کمر کا ہونا بھی قطعی بے حقیقت۔

توضیح: معشوق نے عاشق کو دعوت وصال اور بوس و کنار کی اجازت دے دی ہے مگر عاشق کو اس پر اعتراض ہے کیوں کہ اس کے نزدیک معشوق کا دہن اس قدر تنگ ہے کہ نظر ہی نہیں آتا اور جب نظر ہی نہیں آتا تو کس چیز کو چومے گا۔ اسی طرح اگرچہ معشوق کی طرف سے تو کمر میں ہاتھ ڈالنے کی اجازت ہے مگر کمر ہے کہاں جسے وہ اپنی آغوش میں لے۔

من وبه ذوقِ قدم ترکِ سر درست درست
تو و زمهر به خاکم گذر دروغ دروغ

ذوق: اشتیاق، تمنا، شوق۔ ذوقِ قدم: قدم چومنے کا اشتیاق، اشتیاقِ پابوسی۔ ترک سر: سر کی قربانی، ایثار سر۔ درست: ٹھیک۔ مهر: لطف و عنایت، محبت۔ خاکم: میری خاک۔

میں اور یہ شوق کہ تیرے قدم پر اپنا سر نثار کردوں بالکل درست ہے (اس کے برعکس) تو اور راہ لطف و کرم کی خاطر میری خاک پر سے گذرے یہ محض فریب ہے اور قطعی غلط۔

تو وز بے کسیم ایں ہمہ شگفت
من و بہ بندگیت ایں قدر دروغ دروغ

بے کسیم: میری بے کسی، میری لاچاری، میری بے بسی۔ زبے کسیم: میری بے کسی پر، میری لاچاری پر۔ ہمہ: سب، تمام۔ شگفت: تعجب، حیرت، عجیب۔ بندگیت: تیری بزرگی۔ این قدر: اس مقدار میں، اتنا۔

تو اور میری بے کسی حیرت! حیرت! میں اور تیری بندگی اتنا جھوٹ، اتنا جھوٹ۔

توضیح: عاشق اپنے معشوق سے کہتا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ تو میری بے کسی وبے چارگی پر التفات کرے۔ اگر ایسا ہے تو میرے لیے باعث حیرت و تعجب ہے۔ اور اگر معشوق کو بھی یہ گمان ہے کہ عاشق میری بندگی و غلامی قبول کرے گا تو یہ بھی سراسر صداقت سے بعید ہے۔

دگر کرشمہ در ایجادِ شیوۂ نگہے ست
تو و ز عربدہ قطع نظر دروغ دروغ

دگر: نیا، انوکھا۔ کرشمہ: آنکھ کی جھپک، ناز، ادا، انوکھی بات۔ ایجاد: اختراع۔ شیوہ: طرز۔ نگہ: مخفف نگاہ۔ عربدہ: لڑائی جھگڑا، جنگجوئی۔ قطع نظر: چشم پوشی، درگذر۔

تیرے دیکھنے کا جو انداز ہے اس سے کوئی نت نئی شرارت پیدا ہوتی ہے۔ تو اور لڑائی جھگڑے سے گریز کرے یہ خیال باطل ہے۔

دریں ستیزہ ظہوریؔ گواہِ غالبؔ بس
من و ز کوے تو عزمِ سفر دروغ دروغ

دریں: درایں: اس میں۔ ستیزہ: جھگڑا، لڑائی۔ ایں ستیزہ: اس چپقلش میں۔ ظہوری: نورالدین متخلص بہ ظہوری، ابراہیم عادم شاہ، والیِ بیجاپور کا درباری شاعر۔ بس: کافی۔ عزم: ارادہ۔

اس چپقلش میں غالبؔ کا گواہ ظہوری ہی کافی ہے۔ میں اور تیرے کوچے سے سفر کا ارادہ یہ

محض افواہ ہے۔

میرزا غالب نے مذکورہ بالا شعر کا مصرع ثانی ملا ظہوری کی غزل سے اخذ کیا ہے چناں چہ اس مصرعے میں اس تضمین کا انھوں نے اعتراف بھی کیا ہے۔

~~~~~~~~~~~~

آمدی دیر بہ پرسش، چہ نثارت آرم
من و عمرے کہ بہ اندوہِ وفا گشت تلف

آمدی: (از مصدر آمدن: آنا) تو آیا۔ پرسش: حاصل مصدر از پرسیدن: پوچھنا) احوال پرسی، عیادت۔ نثار: پیشکش، نقد رقم یا کوئی قیمتی شے جو کسی معزز مہمان کی آمد پر وار پھیر کر کے غرباء میں تقسیم کی جائے۔ نثار آرم: (از مصدر آوردن) تجھ پر نچھاور کرنے کے لیے کیا لاؤں؟۔ عمرے: ایک لمبی عمر، ایک عرصہ دراز، ایک مدت طولانی۔

اے محبوب! تو میری احوال پرسی کے لیے بہت دیر سے آیا ہے۔ اب میرے پاس ایسی کوئی بیش بہا چیز نہیں جو میں تجھ پر نثار کروں۔ کیوں کہ اب تو میں ہوں اور میری وہ طویل عمر جو میں نے وفا شعاری میں تلف کر دی۔

رنگ و بو بود ترا برگ و نوا بود مرا
رنگ و بو گشت کہن، برگ و نوا گشت تلف

رنگ و بو: آب و تاب اور مہک۔ برگ و نوا: ساز و سامان، سامان عیش و عشرت۔

تجھ میں آب و تاب تھی اور مہک اور میرے پاس ساز و سامان۔ مگر وہ آب و تاب اور مہک پرانی ہوئی اور وہ ساز و سامان ضائع ہوا۔

توضیح: اس دنیا میں جہاں ہر چیز فانی ہے، تیرا حسن بھی زوال پذیر ہوا اور میرا مال و متاع بھی ضائع ہوا۔

گل و مل بایدو داغم کہ دریں رنج دراز
ہرچہ بود از زر و سیمم بہ دوا گشت تلف
~~~~~~~~~~~~

گل و مل: پھول اور شراب، گل انگارے یا چرکے کو بھی کہتے ہیں اور اسی طرح مل یعنی شراب سے مراد آتش سیال ہے۔ داغ: چرکا، وہ نشان جو کسی کے جسم پر لوہا سرخ کر کے لگایا جاتا ہے۔ رنج: بیماری۔ رنج دراز: لمبی بیماری۔ ہرچہ بود: جو کچھ تھا۔

مجھے گل و مل اور (گرم لوہے کا) چرکا چاہیے، کیوں کہ اس لمبے مرض میں میرے پاس جو بھی سونا چاندی (نقد و جنس) تھا وہ علاج میں ضایع ہو گیا۔

توضیح: عربی کی کہاوت ہے: "آخِرُ الدَّوَاءِ کَیٌّ" آخری دوا داغ ہے)۔ جب کوئی درد یا زخم دوا و مرہم سے علاج پذیر نہیں ہوتا تو زخم پر یا درد کی جگہ تپا کر سرخ کیے گئے لوہے سے مریض یا مجروح کے جسم پر اس کا چرکا لگا دیا جاتا ہے۔ بس یہی آخری علاج ہے میرزا غالب کا مرض جب دوا سے ٹھیک نہ ہوا تو انھوں نے خود کا یہ علاج تجویز کیا کہ گل و مل اور داغ ہی ان کے درد کا مداوا ہو سکتے ہیں۔

گیرم امروز دہی کامِ دل، آں حسن کجا
اجرِ ناکامیِ سی سالۂ ما گشت تلف

گیرم: میں نے مانا، میں نے فرض کیا۔ دہی: (از مصدر روادن: دنیا) تو دے گا۔ کام دل: دل کی مراد۔ اجر: صلہ، بدلہ۔ سی سالہ: تیس سال کا۔

میں نے مانا کہ تجھ سے جو آرزو وابستہ تھی وہ آج پوری ہو گی۔ لیکن اب وہ حسن کہاں؟ ہماری تیس سالہ ناکامی (نامرادی) کا صلہ ضایع گیا۔

توضیح: تیس سال سے شاعر مسلسل معشوق سے درخواست کر رہا تھا کہ میرے دل کی آرزو کو پورا کر دے۔ اتنا طویل عرصہ گذرنے کے بعد آج اس نے وعدہ کیا ہے۔ میں نے فرض بھی کر لیا کہ میرے دل کی آرزو بر آئے گر مگر اب معشوق کے حسن میں وہ گرمی و رعنائی کہاں؟

کاش پاے فلک از سیر بماندے غالبؔ
روز گارے کہ تلف گشت چرا گشت تلف؟

سیر: گردش۔ بماندے: (کاش) رک جاتا، ٹھہر جاتا (بماندے میں حرف "ی" تمنائی ہے)۔ روز گارے: وہ زمانہ، وہ مدت۔ چرا: کیوں۔

غالبؔ اے کاش! آسمان کا پہیہ دورو گردش سے تھک گیا ہوتا (اگر ایسا ہو جاتا تو) وہ زمانہ جو برباد ہوا ہے کیوں ضائع جاتا۔

از عشق و حسنِ ما و تو باہم دگر در گفتگو
خسرو به مجنوں یك طرف، شیریں به لیلیٰ یك طرف

باہم دگر: ایک دوسرے کے ساتھ۔

میرے عشق اور تیرے حسن کے بارے میں آپس میں محو گفتگو ہیں۔ ان میں خسرو اور مجنوں ایک جانب میں اور شیریں اور لیلیٰ دوسری جانب۔

خار افگناں در راہ من ترساں زبرق آہ من
طفلانِ ناداں یك طرف، پیرانِ دانا یك طرف

خار افگناں: جمع خار افگن: کانٹے بکھیرنے والے۔ ترساں: (از مصدر ترسیدن: ڈرنا) خوف زدہ، ڈرے ہوئے۔

جن لوگوں نے میرے راستے میں کانٹے بکھیرے ہیں وہ میری آہ کی بجلی سے خوف زدہ ہیں۔ ان میں ایک طرف ناسمجھ بچے ہیں اور ایک طرف عاقل و دانی عمر رسیدہ لوگ جنھیں یہ ڈر ہے کہ کہیں میری آہ کی بجلی گر کر ان کانٹوں کو نہ جلا ڈالے جو وہ راہ میں بچھا رہے ہیں۔

بحر اگر موجزن است از خس و خاشاك چه باك
باتو ز اندیشه چه اندیشه و از باك چه باك

موجزن: موجیں مارتا ہوا، تھپیڑے مارتا ہوا۔ خس و خاشاك: گھاس پھوس، تنکے۔ باك: خوف، ڈر، پروا۔ اندیشه: غور و فکر، تامل، خوف، اضطراب، ڈر۔ اگر سمندر موجیں مار رہا ہو تو اسے خس و خاشاک کی کیا پروا۔ تیرے ساتھ کسی خدشے (احتمال خطرہ) سے کیا خدشہ (ترس و بیم) اور خوف سے بہراس (ڈر) کی کیا پروا۔

با رضاے تو ز نا سازیِ ایام چه بیم
با وفاے تو ز بے مہری افلاک چه باک

رضا: خوشنودی۔ ناسازی: (از مصدر ساختن) دگرگونی، نااستواری، مخالفت۔ بیم: خوف و ہراس۔ بے مہری: بے مروتی، بے وفائی۔ بے مہری: دشمنی، عداوت، فقدان محبت۔

اگر تیری خوشنودی حاصل ہو تو زمانے کی ناسازگاری و مخالفت سے (مجھے) کیا خوف۔ اگر تو میرے ساتھ وفادار ہو تو (مجھے) آسمانوں کی دشمنی سے کیا بیم و ہراس۔

ہاں! بگو تاخمِ زلفت بفشارد دل را ۔
خونِ صید ارچکد از حلقۂ فتراک چه باک

ہاں! :حرف تاکید۔ ہاں! بگو: ضرور کہہ تاکید سے کہہ۔ خمِ زلفت: تیری زلف کا خم۔ بفشارد: (از مصدر فشردن): دبانا، دباؤ ڈالنا، بھینچنا۔ صید: شکار کیا ہوا پرندہ یا چوپایہ۔ چکد: (از مصدر چکیدن: ٹپکنا)۔ فتراک: شکار بند، شکاری کا تھیلہ۔

تاکید کے ساتھ اپنے خم زلف سے کہہ کہ وہ (میرے) دل کو زور سے بھینچے اگر شکار کا خون حلقۂ فتراک سے ٹپکتا ہو تو اس میں ڈر اور خوف کیسا؟

توضیح: اس شعر میں میرزا غالبؔ نے خم زلف کو فتراک سے تعبیر کیا ہے۔ جب معشوق کا خم زلف دل کو سختی سے بھینچے گا تو اس میں سے خون بالکل اسی طرح ٹپکے گا جیسے شکار کیے ہوئے پرندے کا خون حلقۂ فتراک سے گرتا ہے۔ چناں چہ جس طرح شکاری اس گرے ہوئے خون کی پروا نہیں کرتا اسی طرح معشوق کو بھی عاشق کے دل سے خون ٹپکنے کی ذرا بھی پروا نہیں ہونی چاہیے۔

کلک ما تا به کفِ ماست ز دشمن چه ہراس
چوں فریدوں علم آراست ز ضحاک چه باک

کلک: قلم۔ کف: ہتھیلی۔ ہراس: خوف۔ فریدوں: آبتین کا بیٹا، ابھی شیر خوار ہی تھا کہ اس کے باپ کو ضحاک نے قتل کر دیا۔ اس کی ماں فرانک اسے دور دراز کسی چرا

گاہ میں لے گئی جہاں اس کی پرورش گائے کے دودھ پر ہوئی۔ ضحاک کو نجومیوں نے بتادیا تھا کہ اس کی تباہی فریدوں کے ہاتھوں ہو گی اسی لیے اسے اس کی سخت تلاش تھی۔ جب فریدوں کی ماں کو اس بات کا علم ہوا تو وہ اسے کوہ البرز میں لے گئی۔ فریدوں جب سولہ سال کا ہوا تو اس نے اپنی ماں سے پوچھا وہ کون ہے اور اس کا حسب و نسب کیا ہے۔ ماں نے تمام واقعات اپنے بیٹے کو بتائے۔ ادھر کاوہ لوہار کے سترہ لڑکوں کو ضحاک قتل کرا کے ان کے مغز ان سانپوں کو کھلا چکا تھا جو ہمیشہ اس کے کندھوں پر رہتے تھے۔ جب ضحاک کے سپاہی کاوہ کے اٹھارویں بیٹے کو پکڑنے کے لیے آئے تو اس نے اپنی چمڑے کی دھونکنی کو نیزے پر چڑھا کر علم بغاوت بلند کر دیا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آبتین کا بیٹا فریدوں زندہ ہے اور کوہ البرز کے جنگلوں میں پناہ گزیں ہے تو لوگ وہاں سے اسے لائے۔ فریدوں نے کاوہ لوہار اور عوام کی مدد سے ضحاک پر حملہ کر دیا اور موروثی تخت حاصل کر لیا۔ کاوہ کی دھونکنی کو اس نے شاہی نشان کے طور پر استعمال کیا اور اسے جواہرات سے مزین و آراستہ کیا۔

ہمارا قلم جب تک ہمارے ہاتھ میں ہے ہمیں دشمن سے کیا بیم و خوف۔ جب فریدون نے علم آراستہ کر لیا تو ضحاک سے کیا خوف و ہراس۔

توضیح: شاعر کا یہ دعوا ہے کہ اس کے کلام میں وہ تاثیر ہے کہ چاہے تو انقلاب بپا کر دے چناں چہ اس کے ہاتھوں میں جو قلم ہے وہ قلم نہیں درفش کاویانی ہے اور جب وہ علم ایک بار فضا میں لہرا گیا تو پھر ضحاک کے مظالم کا کوئی خوف نہیں۔

طبعم از دخلِ خساں بازنہ استد ز سخن
شعلہ را غالبؔ از آویزشِ خاشاک چہ باک

طبعم: میری طبیعت۔ میرا (شاعرانہ) مزاج۔ دخل: در اندازی، دست اندازی۔ خساں: جمع خس، تنکا، پست فطرت آدمی۔ بازنہ استد: (از مصدر ایستادن) نہیں رکے گی۔ آویزش: (از مصدر آویختن) چپقلش، ٹکراؤ۔

میرا مزاج پست لوگوں کی دست اندازی کے باعث شعر و سخن سے نہیں رکے گا۔ غالبؔ! شعلے کو خس و خاشاک کے ساتھ الجھنے میں کیا خوف و خطر۔

توضیح: پست فطرت لوگ خواہ کتنے ہی موانع پیدا کریں مگر شاعر کی طبیعت سخن سرائی سے باز نہ آئے گی۔ اس کی فطرت شعلے کی مانند ہے اور سفلہ طبع لوگ مثل خس و خاشاک جب یہ

مٹھی بھر تنکے شعلے کی راہ میں آئیں گے تو جل جائیں گے اور وہ حسبِ سابق نور افشانی کرتا رہے گا۔

نہ مرا دولتِ دنیا نہ مرا اجرِ جمیل
نہ چو نمرود توانا نہ شکیبا چو خلیل

دولت: اقبال، خوش بختی۔ اجر: نیک کام کا بدلہ، ثواب۔ جمیل: حسین، خوش شکل، زیبا۔ اجرِ جمیل: عمدہ بدلہ، بہترین معاوضہ۔ نمرود: (بکسر نون) کلدہ کے بادشاہوں کا لقب، بالخصوص اس حکمراں کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ توانا: طاقتور۔ شکیبا: صابر، صبر کرنے والا، بردبار۔ خلیل: دوست، حضرت ابراہیمؑ کا لقب۔

نہ میرے پاس دینوی جاہ و جلال ہے اور نہ حسین ترین بدلہ۔ نہ میں نمرود کی طرح طاقتور ہوں اور نہ مجھ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سا جبر۔

توضیح: میں ایسا اقبال مند بھی نہیں کہ مجھے دنیا کی جاہ ثروت حاصل ہو۔ اور نہ ہی میں نے ایسے نیک عمل کیے ہیں کہ مجھے آخرت میں ان کا حسین ترین شکل میں بدلہ ملے، نا میں نمرود بادشاہ کی طرح طاقتور ہوں کہ من مانی کرتا رہوں اور نہ مجھ میں وصف ہے کہ ظلم و ستم ہوتے رہیں اور میں انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند برداشت کرتا چلا جاؤں۔

با رقیباں کفِ ساقی بہ مے ناب کریم
با غریباں لبِ جیحون بہ دمے آب بخیل

رقیباں: جمع رقیب، اصل معنی نگہبان کے ہیں مگر اصطلاحاً حریف و بدخواہ کو کہتے ہیں۔ مے ناب: خالص شراب۔ کریم: سخی۔ غریباں: فارسی قاعدے کے مطابق جمع غریب۔ اجنبی، مسافر، پردیسی۔ جیحون: ایک دریا کا نام۔ یہ اسم عام بھی ہے اور خاص بھی۔ چناں چہ کسی بھی دریا کو جیحوں کہا جاسکتا ہے۔ بہ دمے: ایک دم میں، آن کی آن میں۔ بخیل: کنجوس۔

ساقی کا ہاتھ رقیبوں کو شراب پلانے میں بڑا فراخ ہے مگر اجنبی لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ

لب دریا کی مانند ہے جو آن کی آن میں اس کنجوس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جو کسی کو پانی تک پلانا بھی گوارا نہیں کرتا۔

بس کن از عربده تاچند ربائی به فسوں
از گدایاں سر و از تارکِ شاہاں اکلیل

بس کن: (فعل امر از مصدر کردن: کرنا) بس کر، ختم کر، موقوف کر۔ عربده: درشتی، تند خوئی، بدمزاجی۔ تاچند: کب تک۔ ربائی: (از مصدر ربودن: اڑا لے جانا، جھپٹ لینا)۔ فسوں: جادو، حیلہ گری۔ سر: کساوا۔ یہاں معنی کلاہ، کلاہ درویشی کے ہیں۔ تارك: سر، سر کی مانگ۔ اکلیل: تاج۔

اپنی تند خوئی ختم کر، تو کب تک فسوں و حیلہ گری سے درویشوں کے سر پر سے کلاہ اور شاہوں کے سر سے تاج چھین کر بھاگتا رہے گا۔

غالبؔ سوخته جاں راچه به گفتار آری
به دیارے که ندانند نظیری ز قتیل

سوخته جاں: (از مصدر سوختن) جان جلا، جس کی جان تک جل چکی ہو۔ چه: کیا۔ به گفتارے: (از مصدر آوردن) بولنے پر مجبور کرنا، سخن سرائی کے لیے آمادہ کرنا۔ به دیارے که: اس شہر میں۔ ندانند: (از مصدر دانستن) نہیں جانتے۔ نظیری: میرزا محمد حسین متخلص بہ نظیری (متوفی ۱۰۲۱) فارسی زبان کا مشہور شاعر اس کا وطن نیشا پور تھا۔ دورِ اکبری میں ہندوستان آیا۔ قتیل: میرزا محمد حسین متخلص بہ قتیل، کھتری ہندو تھے۔ دہلی وطن تھا یہیں مشرف باسلام ہوئے۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ سنہ ۱۲۳۲ھ، ۱۸۱۷ء میں غازی الدین حیدر کے دورِ حکومت میں بہ مقام لکھنؤ انتقال کیا۔

غالب سوختہ جاں کو تو نے کیوں زبان کھولنے پر مجبور کر دیا ہے بالخصوص اس شہر میں جہاں لوگ نظیری اور قتیل کے کلام میں تخصیص نہیں کر سکتے۔

توضیح: مغلوں کے حملے سے قبل ایران میں جو شیوۂ شعر گوئی رائج تھا وہ طرز عراقی کے نام سے مشہور تھا۔ چناں چہ یہی طرز سخن ترک فاتحین کے ساتھ ہندوستان میں وارد اور یہاں شاعروں میں مقبول ہوا۔ ترک اگرچہ شعر تو فارسی میں کہتے تھے مگر ان کی مادری زبان ترکی

تھی اسی وجہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سے ترکی لفظ اور محاورات فارسی شاعری میں داخل ہو گئے۔ اکبر کے دور سے ایرانیوں اور تورانیوں (ترک) کے درمیان سیاسی رقابت کے ساتھ ادبی چشمک بھی شروع ہو گئی۔ دونوں مکاتب فکر کے درمیان جو فرق تھا اسے وہی شخص محسوس کر سکتا تھا جس نے دونوں مکاتب کا بغور مطالعہ کیا ہو، عام مبتدی فارسی داں اس فرق کو محسوس نہیں کر سکتا۔ ہندوستان کے فارسی گو شاعر کسی ایک مکتب فکر کی پیروی اختیار کر لیا کرتے تھے۔ میرزا غالب اگرچہ نسلاً ترک تھے مگر انھوں نے اصفہانی طرز شعر گوئی کی پیروی اختیار کی۔ خان آرزو ماوراء النہر فارسی طرز شعر گوئی کے نقیب و علم بردار تھے۔ دہلی میں عام طور پر ترکوں کی فارسی کا سکہ جما ہوا تھا۔ لکھنؤ میں اصفہانی اسلوب شعر گوئی کو عروج حاصل ہوا۔ قتیل کی پرورش تو دہلی میں ہوئی مگر چوں کہ وہ غازی الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ چلے گئے تھے اس لیے انھوں نے وہاں اصفہانی مکتب فکر کی روش اختیار کرنا چاہی مگر کسی ایک روش پر گامزن نہ رہ سکے۔ کیوں کہ ان کا اپنا کوئی خاص اسلوب نہ تھا اس لیے میرزا غالب ان کی شاعری کے قایل نہ تھے۔ اور اسی لیے انھوں نے قتیل کے طرز بیان کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔

~~~~~~~~~~~~

گفتم زشادی "نبودم گنجیدن آساں دربغل"
تنگم کشید از سادگی درو صل جاناں دربغل

گفتم: (از مصدر گفتن) میں نے کہا۔ شادی: خوشی، انتہائی شادمانی۔ گنجیدن: سمانا، سما جانا۔ تنگم کشید: (از مصدر کشیدن) مراتنگ کشید: مجھے قریب کھینچ لیا، مجھے بھینچ لیا۔ سادگی: بھولا پن، نادانی۔ جاناں: جان عزیز، عزیز ترین دوست، جان سے بھی زیادہ پیارا۔

میں نے خوش ہو کر کہا کہ میرے لیے بغل میں سمٹ جانا آسان نہ ہوگا۔ (اس پر) میرے معشوق نے بھولے پن سے اپنے قریب کھینچ کر مجھے بغل میں بھینچ لیا۔

دانش بہ مے درباختہ، خودرا ز من نشناختہ
رخ در کنارم ساختہ از شرم پنہاں دربغل
~~~~~~~~~~~~

دانش: ہوش و حواس، عقل خرد۔ دانش درباختہ: (از مصدر باختن) ہوش و حواس کھو کر، انجانے میں۔ نشناختہ: (از مصدر شناختن) نہ پہچان کر۔ کنارم: میرا پہلو بغل۔

معشوق نے شراب میں بدمست ہو کر اپنے ہوش و حواس ایسے گنوائے کہ وہ خود کو مجھ سے نہ پہچان سکا۔ چناں چہ وہ اپنے چہرے کو میرے پہلو تک لے آیا اور شرم سے اس نے اسے میری بغل میں چھپالیا۔

گاہم بہ پہلو خفتہ خوش بستے لب از حرف و سخن

گا ہم بہ بازو ماندہ سر سودے زنخداں دربغل

گاہم بہ پہلو: گاہ بہ پہلویم: کبھی میرے پہلو میں۔ خفتہ: از مصدر خفتن، لیٹ کر، لیٹے ہوئے۔ خوشی بستے: (از مصدر بستن) بہ حسن و خوبی بند کر دیتا تھا۔ ماندہ: (از مصدر ماندن) رہ کر۔ سودے: (از مصدر سودن) ملنا، مسلنا، رگڑنا)۔ زنخداں: ٹھوڑی، نیچے کے ہونٹ کا زیریں حصہ۔

کبھی وہ میرے پہلو میں لیٹ کر بڑے پیار اور چاؤ سے میرے لبوں کو گفتگو (بولنے) سے بند کر دیتا (اور) کبھی میرے بازوؤں میں رہ کر میرے سر کو اپنی زنخدان (ٹھوڑی) سے مسلنے لگتا۔

ناخواندہ آمد صبح گہ بند قبایش بے گرہ

واندر طلب، منشور شہ نکشودہ عنواں در بغل

ناخواندہ: (از مصدر خواندن: بلانا، پکارنا) بن بلائے۔ صبح گہ: مخفف صبح گاہ: صبح کے وقت، علی الصبح، بہت سویرے۔ قبا: ایسا تنگ لباس جو شانوں سے پیروں تک آئے۔ بند قبا: وہ ڈوریاں جن میں گرہ لگا کر کمر اور سینے پر قبا کے پہلوؤں کو کس لیا جاتا ہے۔ طلب: حاضر ہونے کا حکم۔ منشور: حکم شاہی۔ عنواں: آغاز نامہ، سرنامہ، سبب، وجہ۔

قبا کی کو گرہ لگائے بغیر معشوق صبح سویرے بن بلائے ہی آن پہنچا۔ اور (شاہ کی طرف سے) طلب کیے جانے کی اطلاع دی۔ مگر اس نے منشور شاہی نہیں کھولا در حالیکہ شاہ نے کس لیے طلب کیا تھا۔ اس کی وجہ اس فرمان کے سرنامے میں درج تھی۔

ہاں! غالبؔ خلوت نشیں، بیمے چناں، عیش چنیں
جاسوسِ سلطاں در کمیں، مطلوبِ سلطاں دربغل

ہاں!: حرف تنبیہ۔ خلوت نشین: تنہائی میں بیٹھنے والا، گوشہ نشین۔ بیم: خوف، ڈر۔ چناں: ویسا۔ چنیں: ایسا۔ کمیں: گھات۔

غالبؔ گوشہ نشیں دیکھ (ہوشیار رہ) ایک طرف اس طرح کا خوف ہے اور دوسری طرف اس طرح کا عیش۔ سلطان کا جاسوس گھات میں ہے اور جس کا مطالبہ شاہ نے کیا ہے وہ بغل میں۔

رفتم کہ کہنگی زتماشا بر افگنم
در بزمِ رنگ و بو نمطے دیگر افگنم

رفتم: (از مصدر رفتن) میں چلا تھا۔ کہنگی: فرسودگی، پرانا پن۔ برافگنم: (از مصدر برافکندن / برافگندن) پھینک دوں، اتار کر پھینک دوں۔ بزم رنگ و بو: عیش و نشاط کی محفل۔ نمط: طور، طریقہ، ڈھنگ۔ افگنم: (از مصدر افکندن / افگندن: دور پھینکنا) ڈال دوں، گرادوں۔

میں چلا تھا کہ فرسودگی کو سیر تماشے سے دور کردوں (اور) محفل عیش و نشاط میں کوئی اور طور طریقہ پیدا کروں۔

توضیح: عام مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کھیل کو پہلی مرتبہ دیکھتا ہے تو وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور اگر یہی کھیل اور تماشا بار بار ہوتا رہے تو دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ شاعر کو بھی اب تفریح و تماشا سے کوئی علاقہ نہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کوئی جدت و ندرت نہیں کیوں کہ بار بار وہی پرانے مناظر سامنے لائے جارہے ہیں۔ یہی کیفیت بزمِ عیش و نشاط کی ہے وہ اس میں بھی تبدیلی چاہتا ہے اور متمنی ہے کہ انھیں بھی کسی نئے طور سے آراستہ کیا جائے۔

با دیریاں زشکوۂ بیداد اہلِ دیں
مہرے زخویشتن بہ دلِ کافر افگنم

دیریاں: جمع دیری: اہلِ دنیا۔ شکوہ: (بفتح اول) گلہ، شکایت۔ بیداد: ظلم، بے انصافی۔ اہلِ دیں: کسی مذہب کا پیروکار، عقیدت مند۔ مہر: محبت۔ کافر: خدا کو نہ ماننے والا، دشمن دین۔

دنیا پرست لوگوں کو دین دار لوگوں سے جور و ستم کی جو شکایت ہے اسے اپنی محبت سے بدل کر بے دین اور منکر حق کے دل میں ڈال دیں۔

توضیح: "مہرے زخویشتن" سے یہاں مراد وہ محبت ہے جو کسی شخص کو اپنی ذات سے ہوتی ہے، یعنی جس طرح کسی کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے، وہی پیار کافر کے دل میں ڈال دیں۔

ضعفم به کعبه مرتبهٔ قربِ خاص داد
سجّاده گستری تو ومن بستر افگنم

ضعفم: میری زبونی، میری ناتوانی۔ مرتبۂ: مرتبہ ای: اس مرتبے تک، اس درجے تک، اس حد تک۔ قریب: نزدیکی۔ سجادہ: سجدہ کرنے کی جگہ، جاے نماز۔ گستری: (از مصدر گستردن: پھیلانا، بچھانا)۔ بستر: بچھونا۔ بستر افگنم: میں بستر لگا دیتا ہوں، ڈیرے ڈال دیتا ہوں، مستقلاً مقیم ہو جاتا ہوں۔

میری ناتوانی نے مجھے اس حد تک کعبے کی نزدیکی کا شرف خاص عطا کر دیا ہے کہ جہاں تو جائے نماز بچھاتا ہے وہاں میں بستر ڈال دیتا ہوں۔

توضیح: میں کعبے میں ہر وقت اس لیے نہیں پڑا رہتا کہ میں بہت دیندار و عبادت گزار ہوں بلکہ میری ناتوانی اور زبونی نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ میں نے وہیں اپنا بستر ڈال دیا ہے۔ نماز پڑھنے کے بعد مصلّٰی تو بڑھایا جا سکتا ہے مگر میں چوں کہ کمزور ولاچار ہو چکا ہوں اسی لیے ہر وقت حدود کعبہ میں پڑا رہتا ہوں۔ اور یہی وجہ میرے لیے باعث شرف بن گئی ہے۔

راہیے زکنجِ دیر به مینو کشوده ام
از خم کشم پیاله و در کوثر افگنم

کنج: گوشہ گوشہ۔ دیر: صومعہ، آتش کدہ، کنشت۔ مینو: جنت، بہشت بریں۔ کشودہ ام: (از مصدر کشودن: کھولنا) میں نے (راہ) کھولی ہے، میں نے (راستہ) بنایا ہے۔ کوثر: وہ جگہ جہاں کثرت سے پانی ہو، جنت کی ایک نہر کا نام۔

میں نے کنشت میں سے بہشتِ بریں کی جانب راستہ نکالا ہے۔ چناں چہ پیالے بھر بھر کر شراب خم (مٹکے) میں سے نکالتا ہوں اور اسے کوثر میں انڈیل دیتا ہوں۔

منصورِ فرقهٔ علی اللهیاں منم
آوازهٔ انا اسدالله درافگنم

منصور: یہاں مراد منصور حلاج سے ہے، جس نے عشق الٰہی میں غرق ہو کر نعرۂ اناالحق (میں خدا ہوں) بلند کیا تھا۔ علی اللہیان: جمع علی اللّٰہی: وہ فرقہ جس کے افراد تناسخ کے قایل ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مخلوق کے انتظامی امور درست کرنے اور اپنے پیغمبروں کی مدد کرنے کی خاطر انسانی ہیکل میں نمودار ہوتا رہا ہے۔منم: میں ہوں۔ آوازہ: شہرت۔ انا اسد الله: میں اسداللہ ہوں (میں شیر خدا ہوں)۔ آوزاہ افگنم: میں یہ مشہور کیے ہوا ہوں۔

ارزنده گوہرے چومن اندر زمانه نیست
خودرا به خاكِ ره گذرِ حیدر افگنم

ارزندہ: بیش قیمت، گراں قیمت۔ گوہر: سنگ گراں بہا، موتی، لعل والماس وغیرہ۔
چومن: مجھ جیسا۔ رہ گذر: راستہ، کوچہ۔ حیدر: شیر، حضرت علیؑ کا لقب۔

مجھ جیسا بیش قیمت ایک بھی گوہر زمانے میں نہیں۔ میں نے خود کو اس راہ کی خاک پر ڈال دیا ہے جو حضرت علیؑ کی گذرگاہ ہے۔

غالبؔ به طرحِ منقبتِ عاشقانه اے
رفتم که کهنگی زتماشا برافگنم

طرح: بنیاد، طرز، روش۔ منقبت: قابل فخر و مباہات، دو پہاڑوں یا دو گھروں کے درمیان تنگ راستہ، توصیف و تعریف۔ عاشقانه اے: عشاق کی مانند، عشاق وار۔

غالبؔ، میں نے عشاق وار تنگ راہ و روش اختیار کی ہے۔ اور اس راہ پر اس لیے چلا ہوں کہ میں منظر بینی سے فرسودگی اور پرانے پن کو دور کردوں۔

توضیح: میرزا غالبؔ نے توصیف علیؑ کے لیے جو راہ و روش اختیار کی ہے وہ اہل خرد کا نہیں

بلکہ عشاق کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ طرز انھوں نے اس لیے اختیار کی ہے کہ گذشتہ تمام فرسودہ اطوار کو یکسر بالائے طاق رکھ دیں۔ اب تک منقبت میں قصاید تو بہت کہے گئے ہیں مگر غزل میں پیرایۂ منقبت اختیار کرنا یہ غالب کو ہی زیب دیتا ہے۔

بسکه پیچیده به خویش جاده ز گمراهیم
رو به درازی دهد عشوهٔ کوتاهیم

جاده: شاہراہ۔ گمراهیم: گمراہی من: میری گمراہی، میری اصل راہ سے دوری۔ عشوه: پوشیدہ کام۔ به خویش پیچیدن: خود پیچ و تاب کھانا۔ کوتاهیم: میری کوتاہی، میری تقصیر۔

میری گمراہی سے شاہراہ نے ایسے پیچ و تاب کھائے کہ جو تقصیر میں نے چھپ کر کی تھی اسے اس نے بہت ہی طویل بنا دیا۔

گوشهٔ ویرانه را آفتِ هر روزه ام
منزل جانانه را فتنهٔ ناگاهیم

گوشه: کونہ۔ گوشهٔ ویرانه: سنسان جگہ، کھنڈر۔ آفت: تباہی، بربادی، نقصان، بلا۔ هر روزه: ہر دن کا۔ جانانه: جان جیسی عزیز، جان کی پیاری۔ منزل جانانه: منزل جانان: معشوق کا گھر، حسین و دلکش مکان۔ فتنه: شر، فساد، بلا۔ نگاه: اچانک، ایک دم، غیر متوقع۔ فتنهٔ ناگاهیم: میں اچانک فتنہ ہوں۔

سنسان جگہ کے لیے ہر روز میں (نت نئی) تباہی لاتا ہوں اور محبوب کی منزل کے لیے ناگہانی فتنہ ثابت ہوتا ہوں۔

دور فتادم ز یار، ماهیِ بی دجلهٔ ام
نیست دلم درکنار، دجلهٔ بی ماهیم

فتادم: افتادم بہ دور افتادم (از مصدر افتادن / فتادن) میں دور جا پڑا۔ دجله: ایک دریا کا نام مگر اس شعر میں محض دریا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کنار: پہلو۔ دجلهٔ بی

ساہیم: میں ایسا دجلہ (دریا) ہوں جس میں مچھلی نہیں۔

میں اپنے معشوق سے دور ہو گیا ہوں گویا ایسی مچھلی ہوں جسے دریا (دجلہ) میسر نہیں۔ میرا دل میرے پہلو میں نہیں۔ اور میں ایسا دجلہ (دریا) ہو گیا ہوں جس میں مچھلی نہیں۔

بندۂ دیوانہ ام، مخطی وساہی خوشم
حکم ترا مخطیم قہر ترا ساہیم

بندہ: (از مصدر بستن)، غلام۔ مگر اس شعر میں محض انسان یا آدمی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دیوانہ: دیوزدہ، وہ شخص جس پر بھوت یا پریت (عفریت) کا اثر ہو گیا ہو۔ مخطی: ایسا شخص جو سہواً (غفلت سے، بلا ارادہ) کسی غلطی کا مرتکب ہو جائے غافل، فراموش کار، جس کا دل کہیں اور پڑا ہو۔ ساہی: غافل۔

میں دیوانہ ہوں، خطاکار ہوں، غافل ہوں مگر خوش ہوں تیرے حکم بجالانے میں خطا کا مرتکب ہوتا ہوں، اور جب تیرا قہر و غضب نازل ہو تو اسے بھول جاتا ہوں۔

غالبِ نام آورم، نام و نشانم مپرس
ہم اسداللہم و ہم اسداللہیم

غالبؔ: بلادست، زور مند، غلبہ پانے والا۔ نام آورم: میں نام آور ہوں، میں مشہور ہوں۔ نشانم: نشان من: میری نشانی، میرا پتہ۔ مپرس: فعل نہی (از مصدر پرسیدن: پوچھنا) مت پوچھ۔ اسد اللہ: شیر خدا، میرزا غالب کا اصل نام "اسد اللہ" ہے۔ اور اسد اللہ شیر خدا، حضرت علیؓ کا لقب بھی ہے۔ اسد اللہم: اسد اللہ ہوں، شیر خدا ہوں۔ اسدِ اللہی: اسد اللہ (شیر خدا) کا پیرو، حضرت علیؓ کے مسلک کا پیرو۔ اسد اللہیم: میں اسد اللہی ہوں، میں معتقد مسلک علیؓ ہوں۔

میں غالبؔ مشہور و معروف شخص ہوں۔ میرا نام و نشان مت پوچھ۔ میں اسد اللہ (شیر خدا) ہوں اور شیر خدا کے مسلک کا پیرو۔

خار ز جادہ باز چیں، سنگ بہ گوشہ درفگن
در سرِ رہ گرفتنش تركِ بہانہ کردہ ایم

جادہ: شاہراہ۔ باز چیں: (از مصدر چیدن: چن لینا، اٹھالینا) چن لے، اٹھالے۔ در فگن: (از مصدر افگندن / افگندن: ڈالنا، پھینکنا) ڈال دے، پھینک دے۔ سرِ رہ: سر راہ: راستہ میں، راستے کے درمیان۔ رہ گرفتنش: راہ گرفتنش: اس کا راستہ روکنا، اس کی راہ میں مانع ہونا۔ ترك بہانہ کردہ ایم: ہم نے بہانہ ترک کردیا ہے۔ ہم نے بہانہ بنانا چھوڑدیا ہے۔

راستے میں سے کانٹے اٹھالے، اور پتھر کونے میں ڈال دے۔ اسے راستے میں روکنے کے بہانے کو ہم نے ترک کردیا ہے۔

~~~~~~~~~~~

ہر قدم لختے زخود رفتن بود دربارِ من
ہمچو شمع بزم در راہ فنا زاد خودم

لختے: تھوڑا سا۔ زخود رفتن بود: از خود رفتن بود: اپنے آپ چلا جاتا۔ بار: بوجھ۔ دربار من: میرے بوجھ میں، میرے سامان میں۔ در راہ فنا: فنا کے راستے میں، فنا کے راستے پر۔ زاد: توشہ، زادِسفر: سامان سفر، سفر کی ضرورت کا سامان۔

ہر قدم پر میرے سامان میں سے کچھ حصے کو آپ ہی نکل جانا ہوتا ہے۔ (گویا) شمع محفل کی مانند میرا ساز و سامان فنا کے راستے پر ہے۔

می دہم دل را ز بیدادت، فریب التفات!
سادگی بنگر کہ در دامِ توصیادِ خودم

می دہم دل را: میں دل دیتا ہوں۔ بیداد: جور و ستم۔ بیدادت: تیرا جور و ستم۔ التفات: توجہ، مہربانی، رغبت۔ فریب التفات: لطف و مہربانی کا فریب، جھکاؤ کا دھوکا۔ سادگی: بھولاپن۔ بنگر: دیکھ۔ صیاد: شکاری۔

تیرے جور و ستم کے باوجود میں دل تجھے ہی دیتا ہوں۔ زہے فریب التفات! میرا بھولا پن دیکھ
~~~~~~~~~~~

کہ تیرے ہی دام میں اپنا شکاری میں آپ ہوں۔

تا فصلے از حقیقتِ اشیا نو شتہ ایم
آفاق را مرادفِ عنقا نوشتہ ایم

فصلے: کچھ حصہ، کسی باب کا ایک حصہ۔ حقیقت اشیا: چیزوں کی ماہیت، چیزوں کی اصلیت۔ نوشتہ ایم: (از مصدر نوشتن: لکھنا) ہم نے لکھا ہے۔ آفاق: جمع افق: وہ کنارہ جہاں زمین و آسمان ملتے نظر آتے ہیں۔ مرادف: ہم معنی۔ عنقا: عنق کا مؤنث، دراز گردن عورت۔ ایک فرضی پرندہ، جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ اپنے پنجے میں دو بچوں کو لے کر ایسا اڑا کہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔ ناپید، ناپید۔

جب سے ہم نے چیزوں کی ماہیت کے بارے میں لکھا ہے۔ آفاق کو عنقا کے ہم معنی لکھا ہے۔

توضیح: اشیاء کے بارے میں صرف ایک باب کا کچھ ہی حصہ ہم نے ابھی لکھا ہے اور اس میں آفاق کو عنقا کے ہم معنی درج کیا ہے گویا جس طرح عنقا کا کوئی وجود نہیں اسی طرح آفاق بھی لا موجود ہے۔

ایماں بہ غیب تفرقہ ہا رفت از ضمیر
ز اسما گذشتہ ایم و مسمیٰ نوشتہ ایم

ایماں: اعتقاد، یقین کامل۔ غیب: نظر نہ آنے والا، ناپید، ناپید۔ تفرقہ ہا: پراگندگی، جدائی، اختلاف۔ رفت: (از مصدر رفتن / روفتن) گرد و خاک و خاشاک کو صاف کر دینا، جاروب کشی کرنا۔ ضمیر: انسان کا باطن، اندرون دل، قلب۔ اسما: اسماء: جمع اسم۔نام مسمی: موسوم کیا گیا، نام رکھا گیا، ایسا نام جو اس کی صفت کی بنا پر رکھا گیا ہو۔

غیب پر ایمان لانے سے ہمارے دل کے تمام اختلافات دور ہو گئے۔ ہم ناموں سے تو گذر چکے ہیں اور اب ہم نے مسمی لکھ دیا ہے۔

توضیح: کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عبدالقادر جیلانی کی وفات کا وقت آیا تو شیطان ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ تم خدا کو کس دلیل کی بنا پر جانتے ہو، انھوں نے بہت سی دلائل دیں مگر شیطان نے ہر ایک کو رد کر دیا۔ بالآخر انھوں نے کہا کہ میں خدا کو بنا کسی دلیل، بغیر دیکھے مانتا ہوں۔ جس پر شیطان لاجواب ہو گیا۔ جب انسان بغیر دیکھے خدا پر ایمان لے آئے تو شرک و کفر کے باعث جو باہمی شکوک و اختلافات دل میں پیدا ہوتے ہیں وہ سب پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔

در ہیچ نسخہ معنیِ لفظِ امید نیست
فرہنگِ نامہائے تمنا نوشتہ ایم

ہیچ: کوئی، کسی۔ معنی: مفہوم، مراد، مقصود۔ فرہنگ: لغات کی کتاب، مجموعہ الفاظ و معانی پر مشتمل کتاب۔

کسی بھی کتاب میں لفظ امید کے معنی درج نہیں، ہم نے ایک فرہنگ مرتب کی ہے جس میں تمنا کے مختلف نام جمع کیے ہیں۔

آیندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است
یک کاشکے بود کہ بہ صد جا نوشتہ ایم

آیندہ: مستقبل، آگے آنے والا۔ تمنا: آرزو، مراد، حسرت، افسوس، دریغ۔
کاش: کیا اچھا ہوتا، کیا خوب ہوتا۔ کاشکے بود: کاش کہ بود: اے کاش ایسا ہی ہوتا۔ کیا اچھا ہوتا کہ ایسا ہی ہوتا۔

آیندہ (مستقبل) کی تمنا ہے اور گذشتہ (ماضی) کی حسرت ہے۔ اس ایک بات کو کہ "اے کاش ایسا ہی ہوتا" ہم نے سو جگہ لکھا ہے۔

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بہ خونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

آغشتہ: آلودہ، لتھڑا ہوا۔ آغشتہ ایم: ما آغشتہ کردہ ایم: ہم نے آلودہ کیا ہے۔
سرِ خار: کانٹے کی نوک۔ قانون: اصول، قواعد، ضوابط۔ قانونِ باغبانی: اصول

باغبانی۔ صحرا: بیابان، ریگزار، جنگل۔

ہم نے ہر کانٹے کی نوک کو دل کے خون سے آلودہ کیا ہے اور اس طرح ہم نے صحرا کی باغبانی کا قانون لکھ دیا ہے۔

ہم به عالم ز اہل عالم برکنار افتادہ ام
چوں امام سبحه بیروں از شمار افتادہ ام

عالم: جہان، دنیا۔ اہل عالم: دنیا کے لوگ۔ برکنار: ایک طرف۔ افتادہ ام: (از مصدر افتادن: گرنا، پڑنا) جا پڑا ہوں۔ سبحه: تسبیح۔ امام سبحه: وہ بڑا دانہ جو تسبیح کے دونوں سروں کو ملاتا ہے۔ گنتی: گنتی۔

میں دنیا میں (رہتا) بھی ہوں لیکن اہل دنیا سے دور چلا گیا ہوں۔ میں تسبیح کے بڑے دانے کی طرح (دوسرے دانوں کی) گنتی و شمار میں شامل نہیں ہوں۔

کشتیِ بے ناخدایم سرگذشتِ من مپرس
از شکست خویش بر دریا کنار افتادہ ام

کشتی: پانی کا جہاز، ناؤ۔ ناخدا: مخفف: ناو خدا: ناؤ کا مالک، ملاح۔ سرگذشت: آپ بیتی۔ خود پر گزری ہوئی۔ مپرس: (از مصدر پرسیدن: پوچھنا) فعل نہیں، مت پوچھ۔ شکست: ٹوٹ پھوٹ۔ دریا کنار: کنار دریا: دریا کا کنارہ، ساحل سمندر۔

میں ایسی کشتی ہوں جس کا کوئی ملاح نہیں۔ میری آپ بیتی مت پوچھ (بس یہ جان لے) کہ خود ہی چکنا چور ہو کر دریا کے کنارے آن پڑا ہوں۔

سوخت جگر تا کجا رنجِ چکیدن دہیم
رنگ شو ای خونِ گرم تا به پریدن دہیم

جگر: کبد، اگرچہ یہ لفظ "کبد" کے ہم معنی ہے مگر اصطلاحاً شعر میں دل اور جان کے لیے

استعمال کرتے ہیں۔ سوخت جگر: دل جل گیا۔ رنج: زحمت، تکلیف۔ چکیدن: ٹپکنا۔ پریدن: اڑنا۔ دہیم: (از مصدر دادن: دینا) ہم دیں۔ رنج دہیم: ہم زحمت دیں۔ رنگ شو: (از مصدر شدن) رنگ بن جا۔ خون گرم: (رگوں میں) تیزی سے دوڑتا ہوا خون۔ پریدن دہیم: اڑنے دیں، تجھے پرواز کے لیے آزاد چھوڑ دیں۔ رنگ پریدن دادن: رنگ اڑا دینا۔

جگر جل گیا۔ کہاں تک اسے ٹپکنے کی زحمت دیں۔ اے گرم خون رنگ بن جا۔ تاکہ ہم تجھے اڑنے دیں۔

عرصۂ شوقِ ترا مشتِ غباریم ما

تن چو بریزدز ہم، ہم بہ تپیدن دہیم

عرصہ: صحن، آنگن، میدان، جولان گاہ۔ مشتِ غبار: مٹھی بھر خاک۔ تن: جسم، بدن۔ تن چو بریزد: جسم جب پاش پاش ہو جائے، جسم کا ایک ایک حصہ جب ایک دوسرے سے علاحدہ ہو جائے۔ ہم: بھی۔ تپیدن: طپیدن: تڑپنا۔ بہ تپیدن دہیم: ہم اسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔

تیرے میدان میں ہم مٹھی بھر خاک ہیں۔ جب ہمارے جسم کا ایک ایک حصہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر بکھر جاتا ہے تو ہم اسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔

شیوۂ تسلیم ما بودہ تواضع طلب

در خمِ محراب تیغ تن بہ خمیدن دہیم

شیوہ: طور و طریقہ، طرز و رویہ۔ تسلیم: اطاعت، فرمانبرداری، خود سپردگی۔ تواضع: انکسار، فروتنی، عجز۔ تواضع طلب: عاجزی خواہ، عجز و انکسار کا خواہشمند۔ خم: جھکاؤ، قوس کی سی شکل۔ محراب: قوس یا کمان نما شکل۔ خم محراب تیغ: تلوار کا کمان نما جھکاؤ۔ خمیدن: جھکنا، خم ہونا۔

ہماری اطاعت و فرمانبرداری کا طور و طریقہ ہمیشہ خود سپردگی و فروتنی کا خواہاں رہا ہے۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ جب ہمارے سامنے تیغ کی سلامی دار (کمان نما) شکل نمودار ہوتی ہے تو ہم خود ہی اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

نشستہ ام بہ گدائی بہ شاہراہ ہنوز

ہزار دزد بہ ہر گوشہ در کمیں دارم

نشستہ ام: (از مصدر نشستن: بیٹھنا) گدائی، بھکاری پن۔ شاہراہ: جادہ، گذرگاہ کلاں، بڑی سڑک۔ ہنوز: ابھی، ابھی تک۔ دزد: چور، راہزن۔ گوشہ: کونہ۔ کمیں: گھات۔ دارم: (از مصدر داشتن: رکھنا) رکھتا ہوں۔

میں سر راہ بھیک مانگنے کے لیے بیٹھا ہوں، لیکن اب بھی ہزاروں چور ہر کونے میں گھات لگائے ہوئے ہیں۔

توضیح: فارسی کی مشہور کہاوت ہے: گدا بگدا، رحمت بخدا۔ (فقیر اور اس پر بھی فقیر بس خدا ہی رحمت کرے) یعنی ایک شخص تو فقیر تھا ہی اور بھیک مانگا کرتا تھا مگر اس سے بھی زیادہ غریب و نادار اور بھی بہت سے ایسے لوگ تھے جو اس فقیر سے بھیک مانگتے تھے۔ بہ ظاہر میرزا غالب نے اس شعر کا مضمون اسی ضرب المثل سے اخذ کیا ہے۔ اس شعر کا ماخذ یہ حکایت بھی ہو سکتی کہ کوئی شخص راہ میں گاجریں کھاتا جاتا تھا اور تقدیر سے گلہ کرتا جاتا تھا۔ کہ اس برے حال کو پہنچ گیا ہے۔ پیچھے مڑ کر کیا دیکھتا ہے کہ گاجروں کی جو سپندیاں وہ پھینکتا جاتا تھا انھیں دوسرے لوگ اٹھا اٹھا کر کھا رہے تھے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ غنیمت ہے کہ اس حال کو نہیں پہنچا۔

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

قضا بہ گردش رطل گراں بگردانیم

بیا: فعل امر (از مصدر آمدن: آنا) آ۔ قاعدہ: روش، ضابطہ۔ بگردانیم: (از مصدر گردانیدن: پھیر دینا، پلٹ دینا، لوٹا دینا)۔ قضا: حکم، ایسا فرمان جسے واپس نہ لیا جا سکے۔ گردش: دور، چکر۔ رطل: پیالش کا ظرف، پیانہ۔ رطل گراں: شراب کا بڑا پیالہ، شراب سے لبریز قدح۔

آ، کہ آسمان کی روش کو بدل ڈالیں اور اس کی طرف سے جو حکم نازل ہوا ہے (اسے) اسی کی طرف پھیر دیں۔

به گوشه ایے بنشینیم و در فراز کنیم
به کوچه برسرِ ره پاسباں بگردانیم

بنشینیم: (از مصدر نشستن: بیٹھنا) بیٹھیں۔ در فراز کنیم: (از مصدر فراز کردن)، [اس فعل مرکب کے دو متضاد معنی ہیں (۱) دروازہ کھولنا (۲) دروازہ بند کرنا] دروازہ کھول دیں / دروازہ بند کردیں۔ کوچہ: گذرگاہ۔ سررہ: مخفف سرراہ: راستے کا سرا، گلی کا نکڑ۔ پاسبان: چوکیدار۔

ایک کونے میں بیٹھ رہیں اور اوپر سے دروازہ بھی بند کرلیں اور گلی کے راستے ہی سے پاسباں کو واپس کردیں۔

توضیح: شاعر یکسوئی و تنہائی کا متمنی ہے اور ایسی جگہ خلوت نشینی چاہتا ہے کہ جہاں پرندہ تک پر نہ مارے۔

اگر ز شحنه بود گیر و دار نندیشیم
وگر ز شاه رسد ارمغاں بگردانیم

شحنه: داروغہ شہر، نگہبان شہر۔ گیرو دار: (از مصدر گرفتن و داشتن) گرفتاری، پکڑ دھکڑ۔ نندیشیم: نیاندیشیم: (از مصدر اندیشیدن: سوچنا، خوف کرنا) اندیشہ نہ کریں، فکر نہ کریں، خوف زدہ نہ ہوں۔ رسد: (از مصدر رسیدن: پہنچنا) پہنچے۔ ارمغاں: تحفہ، ہدیہ۔

اگر داروغہ شہر کی جانب سے گرفتاری کا خدشہ ہو تو اس کے بارے میں (ذرا) بھی نہ خوف کھائیں۔ اور اگر بادشاہ کی طرف سے کوئی سوغات پہنچے تو اسے واپس کردیں۔

اگر کلیم شود ہم زباں سخن نه کنیم
وگر خلیل شود میهماں بگردانیم

کلیم: کلام کرنے والا، گفتگو کرنے والا، حضرت موسیٰ کا لقب (کلیم اللہ)۔ ہم زباں: ایسا شخص جو دوسرے کی زبان جانتا ہو۔ ایسے افراد جو ایک سی زبان بولتے ہوں۔ سخن نه کنیم: سخن نکنیم: کلام نہ کریں، گفتگو نہ کریں۔ خلیل: دوست، حضرت ابراہیم کا لقب

(خلیل اللہ)۔ میہماں: وہ شخص جو کسی کی دعوت پر اس کے گھر جائے، مدعو۔

اگر گفتگو کرنے والا ہم زبان بھی ہو تو ہم اس سے بات نہ کریں۔ اگر دوست بھی مہمان بن کر گھر آئے تو اسے واپس کر دیں۔

نہیم شرم بہ یک سوے وباہم آویزیم
بہ شوخی اے کہ رخ اختراں بگرد انیم

نہیم: (از مصدر نہادن: رکھنا) ہم رکھیں۔ نہیم شرم بہ یک سوے: شرم را بہ یک سوے نہادن: شرم کو ایک طرف رکھنا۔ شرم کو بالائے طاق رکھنا۔ باہم آویزیم: (از مصدر آویختن: لٹکنا، لٹک جانا) ایک دوسرے کے ساتھ الجھ جائیں، ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جائیں۔ شوخی: گستاخی، شرارت۔ شوخی اے: اس شرارت سے۔ رخ اختراں بگرد نایم: ستاروں کا چہرہ پھیر دیں۔

شرم ایک طرف بالائے طاق رکھیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس شوخی و شرارت سے ہم آغوش (گتھم گتھا) ہو جائیں کہ ستارے اپنے منھ پھیر لیں۔

بہ جنگ باج ستانانِ شاخسارے را
تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

باج ستاناں: جمع باج ستان: لگان وصول کرنے والا، کارندہ۔ شاخسار: فارسی میں "زار" اور "سار" کثرت کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے: گلزار، لالہ زار، چمن زار، کوہسار، شاخسار وغیرہ۔ تہی: (اس کا تلفظ بفتح اوّل بھی درست ہے اور بضم اوّل بھی) خالی۔ سبد: ٹوکری۔

جو لوگ جنگ کر کے ہر شاخسار سے لگان وصول کرتے ہیں انھیں خالی ٹوکری واپس کر دیں۔

توضیح: بہار کا موسم جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور پھول پودوں پر نیز پھل درختوں پر پک جاتے ہیں تو چند روز کے لیے موسم گرما ہو جاتا ہے۔ پھر اچانک سرد ہوائیں چلنی شروع ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے پتے، میوے اور پھول زمین پر گرنے لگتے ہیں۔ یہی وقت ہے جب باغ کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور غریب لوگ ٹوکریاں بھر بھر کر میوے گھر لے جاتے ہیں تا کہ انھیں سکھا کر خزاں اور جاڑے کے موسم میں استعمال کر سکیں۔

یہاں شاعر کا مقصود یہ ہے کہ جب شاخوں پر سے پھول گر جاتے ہیں اور ان کا زیرہ (زر) فضا میں بکھر جاتا ہے تو گویا خراج وصول کرنے والے آتے ہیں اور جنگ کر کے زبردستی سارا مال و متاع اپنی ٹوکریوں میں بھر کر لے جاتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ جب وہ آئیں گے تو ہم انھیں جب بھر بھی خراج نہ دیں گے اور انھیں خالی ہاتھ نہیں بلکہ اپنی ٹوکریاں خالی لے کر واپس جانا ہوگا۔

به صلح بال فشاناں صبح گاہی را
زشاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

صلح: دوستی، اتحاد، میل ملاپ۔ بال فشاناں: جمع بال فشاں (از مصدر افشاندن / فشاندن) بال و پر پھڑ پھڑانے والے (پرندے)۔ صبح گاہ: وقت صبح، وقت طلوع آفتاب۔ شاخسار: درخت کی ایسی چوٹی جہاں کثرت سے شاخیں (ٹہنیاں) ہوں۔ سوئے: طرف، جانب۔ بگردانیم: (از مصدر گردانیدن: واپس بھیجنا، واپس کرنا، لوٹانا) واپس بھیج دیں، واپس پہنچا دیں۔

ان پرندوں کی صلح و صفائی کے لیے جو صبح کے وقت اپنے بال و پر پھڑ پھڑاتے ہیں۔ انھیں واپس ان کے آشیانوں کی جانب بھیج دیں۔

توضیح: یہ قانون قدرت ہے اور پرندوں کی فطرت میں شامل کہ صبح صادق کے نمودار ہونے کے ساتھ ہی وہ آشیانوں سے درختوں کی شاخوں پر آجاتے ہیں جہاں پر پھڑ پھڑا کر اڑان بھرنے کی تیاری کرتے ہیں تاکہ دن بھر کہیں کچھ چگ سکیں۔ شاعر کا ادّعا ہے کہ اگر میں چاہوں تو ان کی طبیعت کا خاصہ بدل دوں اور صبح کے وقت فضا میں پرواز کرنے کی بجائے انھیں واپس ان کے آشیانوں میں بھیج دوں جہاں وہ ایک دوسرے سے نہ لڑیں بلکہ آرام و اطمینان سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھیں۔

پوری غزل پر حافظ شیرازی کی اس غزل کا ماحول طاری ہے جس کا مطلع ہے:

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحے نو در اندازیم

(آ تاکہ ہم پھول برسائیں اور ساغر کو شراب سے پر کر دیں۔ آسمان کی چھت میں شگاف لگائیں اور کسی جدید طرز کی بنیاد رکھیں)۔

ز حیدریم من و تو ، ز ما عجب نبود
گر آفتاب سوے خاوراں بگردانیم

زحیدریم: از حیدر معظم: ہماری نسبت حیدرؓ سے ہے۔ زحید ریم من و تو: ہم (میں اور تو) کو نسبت حیدرؓ سے ہے۔ عجب نبود: حیرت کی بات نہیں، تعجب نہیں۔ آفتاب: سورج۔ خاوراں: یہ لفظ قدیم زمانے میں بہ معنی مغرب کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اور آج مشرق کو کہتے ہیں۔

میں اور تو حیدر (حضرت علی) سے منسوب ہیں۔ اور ہمارے لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ سورج کو مشرق کی جانب پھیر دیں۔

توضیح : روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھے محو خواب تھے، اتنے میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے آنحضرت کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آنحضرت کی جب آنکھ کھلی تو نماز عصر کا وقت گذر چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا اور سورج مغرب کی جانب بڑھنے کی بجائے اتنا واپس آ گیا جتنا عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے۔ چناں چہ دونوں بزرگان دین نے نماز ادا کی۔ میرزا غالب نے حضرت علیؓ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی اس معنوی قوت کا اظہار کیا ہے کہ چوں کہ ہمیں حضرت علیؓ سے عقیدت ہے اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ ہم کوئی خارق عادت کام کر دکھائیں۔

به من وصال تو، باور نمی کند غالبؔ
بیا که قاعدهٔ آسماں بگردانیم

به من: مجھ سے، میرے ساتھ۔ وصال تو: تجھ سے ملاقات۔ باور نمی کند: یقین نہیں کرتا۔

میرا تیرے ساتھ وصل ہو، یہ غالبؔ کو یقین نہیں آتا۔ آ، کہ ہم آسمان کے اس ضابطے کو بدل دیں۔

نه از مہر است گر بر داستانم می نہد گوشے
ہماں از نکته چینی خیزدش ذوق شنیدن ہم

مہر: محبت، تعلق۔ داستانم: میری داستان، میری کہانی۔ نہد گوشے: گوش می نہد: (از مصدر نہادن) کان دھرتا ہے، توجہ سے سنتا ہے۔ ہماں: وہی۔ نکته چینی: (از مصدر چیدن: چننا) عیب جوئی، ہر معمولی بات پر اعتراض۔ خیزدش: (از مصدر خیزیدن: ابھرنا/اگنا) ابھرتا ہے، پیدا ہوتا ہے۔ شنیدن: سننا۔

یہ محبت کی وجہ سے نہیں ہے کہ وہ میری داستان کان لگا کر سنتا ہے بلکہ اس عیب جوئی کی وجہ سے ہی اس میں سننے کا اشتیاق ابھرتا ہے۔

سرت گردم شکار تازه گر ہردم ہوس داری
به ہر بندم رہا می کن به قد ریك رمیدن ہم

سرت گردم: بہ گرد سرت بگردم: (از مصدر گردیدن: چکر لگانا) تیرے سر کے گرد گھوم جاؤں، تیرے صدقے جاؤں۔ ہوس: آرزو، ہوس داری: (از مصدر داشتن) مجھے آرزو ہے۔ بند: مفصل، جوڑ۔ بندم: میرے (جسم کا) جوڑ۔ رہامی کن: (از مصدر رہانیدن / رہاندن: قید سے آزاد کرنا)۔ به قدر: برابر۔ رمیدن: بھڑکنا، اچانک اچھل جانا۔

اگر تجھے ہر دم کسی نئے شکار کی آرزو ہے تو میں تیرے سر کے گرد چکر لگانے کے لیے تیار ہوں۔ (بشرطیکہ) میرے (جسم کے) ہر جوڑ کو تو اتنا ہی آزاد کر دے کہ ایک مرتبہ وہ اپنی جگہ سے اچھل سکے۔

ادب آموزیش در پردۂ محراب می بینم
نخست از جانبِ حق بوده انداز خمیدن ہم

ادب آموزیش: ادب آموزیِ او: اس کی ادب آموزی (ضمیر "ش" خدا کے لیے ہے) خدا کی طرف سے ادب آموزی۔ پرده: اوٹ، قبلہ رخ ایسی دیوار یا کوئی روک جس کے آگے لوگ نماز پڑھتے ہیں تا کہ اس کے پیچھے سے کوئی شخص گذرنا چاہے تو گذر سکے۔

پردۂ محراب: کعبہ رخ وہ دیوار جس کے سامنے لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔ انداز: طور، ڈھنگ۔ خمیدن: جھکنا، کرخم کرنا۔

میں پردۂ محراب سے اس کی ادب آموزی دیکھ رہا ہوں۔ جھک جانے کا طور پہلی مرتبہ حق تعالیٰ کی جانب سے ہی تھا۔

توضیح: رکوع (خمیدن) اور سجدہ (جبین سائی) ارکان نماز میں شامل ہیں۔ جب کوئی شخص نماز ادا کرتا ہے تو اظہار عجز و انکسار کے لیے رکوع کے بعد سجدہ بجالاتا ہے، یہ عمل خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کو اسی وقت سکھادیا تھا جب اس نے آدم کی تخلیق کی تھی اور فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اس کے سامنے سجدہ کریں۔ گویا سجدہ ریزی کا عمل اسی وقت سے چلا آرہا ہے جب سے آدم کی آفرینش ہوئی ہے۔ چناں چہ یہ طریقہ اب تک جاری ہے اور قبلہ رخ اس دیوار کے سامنے انجام دیا جاتا ہے جہاں محراب بھی نصب ہوتی ہے۔

زخم جگرم بخیہ و مرہم نہ پسندم
موج گہرم جنبش و رفتار نہ دانم

زخم جگرم: میں زخم جگر ہوں۔ بخیہ: سلائی۔ نہ پسندم: (از مصدر پسندیدن: چاہنا، قبول کرنا)۔ موج گہرم: میں موج گوہر ہوں۔ موج گوہر / گہر: وہ مخفی خط جو کسی بیش قیمت پتھر (یاقوت، الماس، فیروزہ) وغیرہ پر ہوتا ہے۔ جنبش: (از مصدر جنبیدن: ہلنا، حرکت کرنا) حرکت۔ رفتار: (حاصل مصدر از رفتن) چال۔ نہ دانم: (از مصدر دانستن) نہیں جانتا۔

میں زخم جگر ہوں، میں بخیہ و مرہم پسند نہیں کرتا۔ میں موج گوہر ہوں حرکت و رفتار نہیں جانتا۔

توضیح: جو چیز کسی کی سرشت و فطرت میں ہوتی ہے وہ کسی بھی طریقے سے بدلی نہیں جاسکتی۔ میرا وجود بجائے خود زخم جگر ہے تو بخیہ اور مرہم اس کا مداوا نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال وہ لہریں ہیں جو کسی سنگ گراں قیمت میں ہوتی ہیں۔ وہ اسے حرکت دیں یا نہ دیں اس میں حسب سابق قائم رہیں گی۔ اگر کسی طریقے سے ان امواج کو سرشت گوہر سے زائل کیا جاسکتا ہے تو

بخیہ و مرہم سے میرے جگر کا بھی مداوا ہو سکتا ہے۔

نقدِ خودم سکۂ سلطاں نہ پذیرم
جنسِ ہنرم گرمی بازار نہ دانم

نقد: کھرا سکہ۔ نقد خودم: میں عقل کا کھرا سکہ ہوں۔ نہ پذیرم: (از مصدر پذیرفتن: قبول کرنا) قبول نہیں کرتا۔ جنس: مال و متاع۔ ہنر: فن۔ جنس ہنرم: میں فن کا مال ہوں۔ گرمی بازار: رونق بازار، وہ وقت جب کہ خرید و فروخت میں جوش و خروش پایا جاتا ہے۔

میں خود عقل کا کھرا سکہ ہوں اسی لیے میں سلطان کے سکے قبول نہیں کرتا۔ میں سامانِ ہنر ہوں اس لیے میں بازار کی گہما گہمی نہیں جانتا۔

طاق شد طاقت زعشقت بر گران خواہم شدن
مہر باں شو ورنہ برخود مہر باں خواہم شدن

طاقت کسے طاق شدن: انتہائی بے صبری کی حالت کو پہنچ جانا۔ طاق شد طاقت: انتہائی بے صبری تک حالت پہنچ گئی۔ عشقت: تیرے عشق سے، تیرے عشق کی وجہ سے۔ بر گراں شدن: انتہا کو پہنچ جانا۔ بر گراں خواہم شدن: پار لگ جانا چاہیے، انتہا کو پہنچ جانا چاہیے، میں انتہا کو پہنچ جاؤں گا۔ مہر باں شو: (از مصدر شدن) مہربان ہو، لطف و عنایت کا رویہ اختیار کر۔ برخود مہر باں شدن: خود اپنی حالت پر رحم کرنا، مجھے اپنی حالت پر رحم کرنا ہو گا۔

میرے عشق کے باعث میری حالت صبر کی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب تو میں خود ہی انتہا کو پہنچ جاؤں گا۔ تو مجھ پر مہرباں ہو جا ورنہ میں خود ہی اپنے آپ پر مہربان ہو جاؤں گا۔

خوش بود فارغ زبندِ کفر و ایماں زیستن
حیف کافر مردن و آوخ مسلماں زیستن

خوش بود: (از مصدر بودن) اچھا ہوتا ہے، مبارک و سعد ہوتا ہے۔ فارغ: بے نیاز، مستغنی۔ کفر: بے دینی۔ ایمان: اعتقاد، یقین کامل۔ زیستن: جینا، زندہ رہنا۔
حیف: افسوس، دریغ۔ آوخ: آہ، افسوس۔

کفر و ایماں کی بندش سے بے نیاز ہو کر زندہ رہنا ہی اچھا ہے۔ افسوس ہے کافر مرنا، اور افسوس ہے مسلمان (رہ کر) جینا۔

شیوۂ رندانِ بے پروا خرام از من مپرس
ایں قدر دانم کہ دشوار است آساں زیستن

شیوہ: طرز، رفتار، طریقہ۔ رندان: جمع رند: لاابالی۔ بی پرواخرام: (از مصدر خرامیدن: چہل قدمی کرنا)۔ بے پروائی سے چہل قدمی کرنے والا۔ رندان بے پرواخرام: وہ رند جو بے پروائی سے زندگی بسر کرتے ہیں، وہ لاابالی لوگ جنھیں زندگی کا کوئی غم نہیں۔ از من مپرس: (از مصدر پرسیدن) مجھ سے مت پوچھ۔

یہ لاابالی لوگ آزادمنشی و خوش رفتاری کی جو روش اختیار کیے ہوئے ہیں اس کے بارے میں مجھ سے مت پوچھ۔ میں تو بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ راحت و آرام سے زندہ رہنا سخت مشکل ہے۔

راحت جاوید ترک اختلاط مردم است
چوں خضر باید زچشم خلق پنہاں زیستن

راحت: آسائش، آرام۔ جاوید: ابدی، دائمی۔ اختلاط: میل جول۔ اختلاط مردم: لوگوں سے ملنا جلنا۔

دائمی آرام لوگوں سے میل جول ترک کر دینے میں ہے۔ حضرت خضرؑ کی طرح لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ زندہ رہنا چاہیے۔
توضیح: فارسی زبان کا مشہور مصرع ہے جو ضرب المثل بن چکا ہے:

دلا خو کن بہ تنہائی کہ از تنہا بلا خیزد
(اے دل تنہائی کی عادت ڈال، چوں کہ جب بہت سے تن (تنہا) مل جاتے ہیں تو کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

دگر به پیشِ وے اے گل چه هدیه خواهی برد؟
مگر به گدیه کفے پیش می تواں کردن

دگر: اور، کچھ اور، مزید۔ هدیه: تحفہ۔ خواهی برد: (از مصدر بردن) لے جائے گا۔ مگر: کیا؟۔ گدیه: گدائی۔ کفے: یک کف، یک کف دست۔ پیش می تواں کردن: پیش کیا جاسکتا ہے۔ سامنے لایا جاسکتا ہے۔

اے پھول تو اب اور کونسا تحفہ اس کے پاس لے جائے گا۔ کیا گدائی کے لیے خالی کف دست اس کے سامنے کیا جاسکتا ہے۔

توضیح: ایران میں گدائی کے تین طریقے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ آدمی سر شام شاہراہ پر اکڑوں بیٹھ جاتا ہے اور اپنے پاس دستکاری کے اوزار رکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ رومال میں اتنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا کر سر کو گھٹنوں میں دے کر بیٹھ جاتا ہے، گویا گدائی اس کا شیوہ نہیں مگر کیا کرے کام پر تو گیا تھا مگر آج نہ مل سکا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کشتی میں بسکٹ یا بیسن کے لڈو لے کر گدا بارونق گذرگاہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے سامنے کشتی بڑھا دیتے ہیں، لوگ اس میں سے اٹھا کر تو کچھ نہیں کھاتے البتہ چند سکے اس پر ضرور رکھ دیتے ہیں۔ تیسرا شیوہ دراویش کا ہے وہ چند سبز پتیاں ہاتھ میں لے کر کسی کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور یہ شعر جواب ضرب المثل سے پڑھتے ہیں:

برگ سبز یست تحفۂ درویش
چہ کندے بے نوا ہمیں دارد

(سبز پتی ہی درویش کا تحفہ ہے۔ بے چارہ کیا کرے اس کے پاس بس یہی ہے)

اور اس کے ساتھ ہی ایک دو پتیاں ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں۔ جس کے گھر جاتے ہیں وہ بھی یہ کہہ کر کچھ سکے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے: "قابل ندارد" (یہ آپ کے لائق تو نہیں مگر کیا کروں کہ میری استطاعت اس سے زیادہ کی نہیں)

میرزا غالبؔ نے اس شعر (برگ سبز یست ....) کو مد نظر رکھ کر ہی یہ شعر کہا ہے۔ کہ گدائی کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ وہ پھول سے دریافت کر رہے ہیں کہ تو معشوق کے لیے اب اور کون سا تحفہ لے کر جائے گا۔ کچھ مانگنے کے لیے خالی دست سوال تو نہیں بڑھایا

جاسکتا۔ آخر تو بھی تو اس کے لیے کچھ تحفہ لے کر جا وہ خواہ کتنا ہی حقیر و معمولی کیوں نہ ہو۔

تا ز دیوانم که سرمست سخن خواهد شدن
این مے از قحطِ خریدارے کہن خواهد شدن

دیوان: مجموعہ اشعار۔ دیوانم: میرا دیوان، میرا مجموعہ اشعار۔ قحط: فقدان۔
خریدارے: کوئی خریدار، کوئی گاہک۔

جب وہ وقت آئے گا کہ میرے دیوان سے کوئی سرمست سخن ہو گا۔ اس وقت تک یہ شراب خریدار کے فقدان کی وجہ سے پرانی ہو چکی ہو گی۔

کوکبم را درعدم اوج قبولی بوده است
شهرتِ شعرم به گیتی بعدِ من خواهد شدن

کوکبم: میرا کوکب، میرا ستارہ، میری قسمت کا ستارہ۔ اوج: بلند، عروج۔ اوج قبولی: ہر دل عزیزی کی بلندی و سرفرازی۔ بوده است: ہوئی ہے۔ شہرت شعرم: میرے کلام کی شہرت۔

ملک عدم میں میری قسمت کے ستارے کو ہر دل عزیزی و پسندیدگی کی بلندی حاصل ہوئی ہے۔ (اسی لیے) میرے اشعار کی شہرت دنیا میں میرے بعد ہی ہو گی۔

ہے! چه مه گویم اگر این است وضع روزگار
دفترِ اشعار بابِ سوختن خواهد شدن

ہے !: (حرف تنبیہ و آگاہی) ہائیں!، ارے!۔ وضع روزگار: زمانے کی حالت۔
دفتر: جزو۔ دفتر اشعار: مجموعہ کلام۔ باب: لائق، قابل، شایستہ۔ سوختن: جلانا۔

ہائیں! یہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اگر زمانے کی حالت یہی ہے تو شعری مجموعہ جلانے کے قابل ہونا چاہیے۔

توضیح: میرزا غالب زمانے کی ناقدر شناسی کا شکوہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اگر لیل و نہار اسی طرح گذرتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب کہ شاعر کا دیوان بس اس قابل ہی رہ جائے گا کہ اسے نذر آتش کردیا جائے۔

آن کہ صورِ نالہ از شورِ نفس موزوں دمید
کاش دیدی کایں نشیدِ شوقِ فن خواہد شدن

صور: شیپور، کرنا، نفر۔ صور دمیدن: صور پھونکنا، شیپور بجانا۔ شورِ نفس: سانس کی آواز۔ موزوں: ہم آہنگ، یکساں و یکنواخت۔ دیدی: (یای تمنائی) کیا اچھا ہوتا کہ دیکھتا۔ کایں: (کہ ایں): کہ یہ۔ نشید: وہ اشعار جو کسی اجتماع یا محفل میں لحن و ترنم کے ساتھ سنائے جائیں، نغمہ، سرود۔ نشید شوق: ترانۂ شوق۔

وہ جو کہ سانسوں کے جوش و خروش کے باعث شیپور میں سے صدائے آہ و نالہ بھی ساز کی دھن پر نکالتا تھا کاش وہ یہ (بھی) دیکھ پاتا کہ ترانۂ شوق فن بن جائے گا۔

کاش سنجیدے کہ بہرِ قتلِ معنی یک قلم
جلوۂ کلک و رقم دار و رسن خواہد شدن

کاش سنجیدے: (بیای تمنائی، از مصدر سنجیدن: تولنا، پرکھنا، ناپنا) کاش! وہ غور و فکر کرتا۔ بہرِ قتل: قتل کرنے کے لیے، محو و فنا کرنے کی غرض سے۔ یک قلم: ایک سر قلم کے برابر، ایک مختصر ترین تحریر۔ جلوہ: نمائش۔ کلک: قلم۔ رقم: تحریر، لکھی ہوئی عبارت۔ دار: وہ بلی جسے زمین میں گاڑ کر مجرم کو سولی دی جائے۔ رسن: رسی، ڈوری جس سے مجرم کو پھانسی لگائی جائے۔

کاش! وہ غور کرتا کہ ایک مرتبہ نوک قلم سے تحریر کردہ معنی کو منسوخ کرنے کے لیے قلم اور مرقوم عبارت کی رونمائی، پھانسی اور رسی بن جائے گی۔

چشمِ کور، آئینۂ دعویٰ بہ کف خواہد گرفت
دست شل مشاطۂ زلفِ سخن خواہد شدن

چشمِ کور: چشم نابینا، وہ آنکھ جو دیکھ نہ سکے۔ دعویٰ: تنازع، جھگڑا۔ بہ کف

خواہد گرفت: (از مصدر گرفتن) اپنے دست اختیار میں لے لے گا۔ شل: بے حس۔ مشاطہ: وہ عورت جو بیگمات کے سر و چہرے کی آرائش کرے، زن آرائش گر نابینا آنکھ تنازع و مناقشہ کا آئینہ اپنے ہاتھ میں اٹھالے گی۔ مشاطہ کا بے حس ہاتھ زلف سخن کی آرائش کرے گا۔

توضیح: نااہل و ناکارہ لوگوں نے اہل فن کی جگہ لے لی ہے اور وہ فن کو تباہ کر رہے ہیں۔ فارسی زبان کی کہاوت ہے "سگ نشیند جائے گیپائی" (کتے نے گیپا فروش کی جگہ لے لی ہے) گیپا یا کیپا ایک قسم کا پلاؤ ہے جو بھیڑ کے معدے میں قیمہ چاول اور خشک میوے وغیرہ بھر کر تیار کیا جاتا ہے) ممکن ہے میرزا غالب کے ذہن میں وہ غزل رہی ہو جو خواجہ حافظ شیرازی سے منسوب ہے اور جس کا مطلع ہے:

این چہ شوریست کہ در دور قمر مینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شری مینم

(یہ کیسا شور و غوغا ہے جو میں دور قمر میں دیکھ رہا ہوں۔ اور ساری کائنات کو میں فتنہ و شر سے لبریز پاتا ہوں)۔

شاہد مضموں کہ اینک شہریِ جان و دل است
روستا آوارۂ کام و دہن خواہد شدن

شاہد: معشوق۔ مضموں: موزدع، فکر نو، خیال تازہ۔ اینک: اب۔ شہری: شہر نشیں، مقیم شہر، شہر میں رہنے والا۔ روستا: دیہات، گاؤں۔ آوارہ: سرگرداں، دربدر، فریفتہ، شیدائی۔ کام: منہ کے اندر کا بالائی حصہ، تالو، منہ۔ کام و دہن: منہ۔

معنی وہ معشوق ہے جو اب جان و دل کے شہر میں مقیم ہے پورا گاؤں اس کے کام و دہن کے لیے آوارہ ہو جائے گا۔

توضیح: شہر و روستا ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ شہر یعنی گہوارۂ تہذیب و دانش۔ اس کے برعکس روستا گنواروں کا مسکن۔ میرزا غالب کے خیال میں شعر گوئی و سخن سرائی صرف اہل شہر کے ہی حصے میں آئی ہے اہل دیہات کو اس سے کیا سروکار۔ اگر شاہد مضموں کے والہ و

فریفتہ شہر نشین ہوں تو کوئی مضایقہ نہیں۔ ان کے نزدیک قابل افسوس بات یہ ہے کہ اب اہل دیہات بھی اس کے شیفتہ و متمنی ہیں۔

زاغِ راغ اندر ہوائے نغمہ بال وپر زناں
ہم نوائے پردہ سنجانِ چمن خواہد شدن

زاغ: کوا۔ راغ: وادی، مرغزار، سرسبز پہاڑ کا دامن۔ ہوا: فضا۔ ہوائے نغمہ: ترنم کی فضا میں۔ بال و پرزناں: (از مصدر زدن) بال و پر پھڑ پھڑاتے ہوئے۔ رقص کرتے ہوئے۔ ہم نوا: ہم آواز، گانے میں سنگت کرنے والا۔ پردہ: موسیقی کی دھن، لے۔ پردہ سنجاں: (از مصدر سنجیدن) موسیقی کی تان پر گانے والے، کسی دھن پر نغمہ سرائی کرنے والے۔ پردہ سنجانِ چمن: وہ پرندے جو باغ میں نغمہ ریز ہوں۔

وہ کوا جو کسی سرسبز و خرم وادی میں نغمہ و سرود کی فضا میں بال و پر پھڑ پھڑا رہا ہے، اسے بھی چمن کے نغمہ سرا پرندوں کے ہم آواز ہو جانا ہے۔

پردہ ہا از روے کارِ ہم دگر خواہد فتاد
خلوتِ گبر و مسلماں انجمن خواہد شدن

کار: فعل، عمل، کام۔ ازروے کار فتادن: ازروئے کار افتادن: ناکارہ ہو جانا، ناقص و بے مصرف ہو جانا۔ ازروے کار خواہد فتاد: ناقص و بے مصرف ہو کر گر جائے گا۔ ازروے کار ہم دگر: ایک دوسرے کے کام سے۔ خلوت: تنہائی۔ گبر: زرتشتی۔ انجمن: (فارسی): نہج من (پہلوی) ہنج: یک جا جمع ہونے کی جگہ۔ من: لوگ، انسان، مجمع، مجلس۔

ایک دوسرے کے نام سے پردے گر جائیں گے۔ رزتشتی اور مسلمان کی تنہائی مجلس بن جائے گی۔

توضیح: ایران میں زرتشتیوں کے محلے مسلمانوں کی آبادی سے اسی طرح دور دور علاحدہ ہیں جیسے ہندوستان میں ان کی بستیاں۔ چوں کہ زرتشتی شراب بھی کشید کرتے ہیں اسی لیے مسلمان وہاں علانیہ جانے سے گریز کرتے ہیں کہ کہیں ان پر مے کشی کا الزام نہ آجائے۔ البتہ تنہائی میں دونوں کیا کرتے ہیں وہ علاحدہ گفتگو ہے۔ شاعر کا اس شعر میں مقصود یہ ہے کہ گبر و

مسلماں اب تک کیا کرتے رہے ہیں اس پر سے پردہ گرے گا اور ان کا راز فاش ہو جائے گا۔ چناں چہ تنہائی میں وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں وہ اب مجلس کی شکل میں نمایاں ہو کر رہے گا۔

درته هر حرف غالبؔ چیده ام مے خانه اے
تا ز دیوانم که سرمست سخن خواهد شدن

چیده ام: (از مصدر چیدن: چننا) میں نے چنا ہے۔ میں نے ترتیب دیا ہے۔ مے خانه اے: ایک میخانہ، ایک بہت ہی وسیع و عظیم شراب خانہ۔ دیوانم: میرا دیوان۔ میرا شعری مجموعہ۔ سرمست: شراب سے سرشار۔ سخن: کلام، اشعار۔

غالبؔ میں نے ہر حرف کی تہ میں ایک میخانہ چن دیا ہے۔ تاکہ میرے دیوان سے سخن کی سرمستی و سرشاری حاصل ہو جائے۔

~~~~~~~~~~

نامه درنیمۂره بود که غالبؔ جان داد
ورق از هم در و ایں مژده زبانی بشنو

نامه: خط، تحریری پیغام، مراسلہ۔ نیمه: نصف۔ نیمۂ ره: نصف راہ۔ ورق: صفحہ، کاغذ، پرچہ۔ از هم در: (از مصدر دریدن: چاک چاک کر دینا) چاک چاک کر دے۔ مژده: خوش خبری، اچھی خبر۔ زبانی: غیر تحریری۔ بشنو: فعل امر (از مصدر شنیدن: سننا) سن۔

مراسلہ ابھی آدھے راستے پر ہی تھا کہ غالبؔ نے جان دے دی۔ ورق کو چاک چاک کر دے اور یہ اچھی خبر زبانی سن۔

~~~~~~~~~~

محو افسوں گرِ نازیم که اورا باما
دور باشیے است که آهنگِ "بیا" خیزد ازو

محو: گم، خیالات میں کھویا ہوا۔ افسوں گر: افسوں کرنے والا، جادوگر۔ نازیم:

(از مصدر نازیدن: ناز کرنا، فخر کرنا) ہم ناز کرتے ہیں، فخر کرتے ہیں۔ دور باش: (از مصدر شدن) دور رہ، جب بادشاہ کی سواری چلتی تھی تو چند پیادے آگے آگے چلتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے: "دور باش"، "کور باش"۔ دور باشی: دور رہنے کا عمل۔ آہنگ: ارادہ، تحلہ بیا: فعل امر (از مصدر آمدن: آنا) آ، آجا۔ خیزد: (از مصدر خیزیدن: اٹھ کھڑے ہونا) پیدا ہوتا ہے، نمایاں ہوتا ہے۔ آشکار ہوتا ہے۔

ہم اس ناز والے جادوگر پر محو ثنا ہیں کہ جسے ہمارے ساتھ دوری و گریز بھی ہے۔ مگر اس کے ارادے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہہ رہا ہو کہ یہاں "آ"۔

دیگر امروز بہ ما بر سر جنگ آمدہ است
بہ ادایے کہ ہمہ صلح و صفا خیزد ازو

دیگر: دوبارہ، دوسری مرتبہ، پھر۔ امروز: آج۔ بہ ما: ہمارے ساتھ، ہماری جانب۔ بر سر جنگ آمدہ است: جنگ کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ بہ ادایے: اس ادا کے ساتھ۔ ہمہ: سب، تمام۔ صلح و صفا: اختلافات کی دوری، میل ملاپ۔

آج وہ پھر ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے ارادے سے آیا ہے۔ لیکن اس جنگ میں بھی وہ ادا ہے کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصد میل ملاپ کا ہے۔

بلبلِ گلشنِ عشق آمدہ غالبؔ ز ازل
حیف گر زمزمۂ مدح و ثنا خیزد ازو

گلشنِ عشق: گلزارِ محبت۔ ازل: وہ زمانہ جس کا کوئی آغاز نہ ہو، ہمیشہ ہمیش۔ حیف: افسوس۔ زمزمہ: ترنم، نغمہ، ترانہ۔ مدح و ثنا: ستائش۔ خیز ازو: خیزد ازو: اس سے برخاست ہو جائے۔

غالبؔ تو ازل سے ہی گلشنِ عشق کا بلبل رہا ہے۔ افسوس ہے اگر نغمہ حمد و ستائش اس کے وجود سے اٹھ جائے۔

دولت به غلط نبود از سعی پشیماں شو
کافر نه توانی شد ناچار مسلماں شو

دولت: ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا، خوش بختی، مال، اور فتح و نصرت کا ایک شخص سے دوسرے کو پہنچنا۔ به غلط نبود: غلط (انسان) کو نہیں پہنچتی، غلط (جگہ) نہیں جاتی۔ سعی: کوشش۔ پشیماں: شرمندہ، نادم۔ شو: فعل امر (از مصدر شدن)۔ ناچار: بہ مجبوراً، بہ حالت مجبوری۔ مسلماں: نیک و پارسا۔

اقبال مندی اور نصرت و کامرانی غلط جگہ نہیں پہنچتی۔ اسی لیے سعی و کوشش سے تو نادم و شرمندہ ہو۔ اگر تو کافر نہیں ہو سکتا تو مجبوراً مسلمان ہی بن جا۔

توضیح: میرزا غالب بھی حافظ شیرازی کی طرح فلسفہ جبر و اختیار میں جبریا بالفاظ دیگر رضا بقضا کے قایل ہیں۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

در کوے نیک نامی مارا گذر ندادند
گرتو نمی پسندی تغیر کن قضا را

(ہمیں قضا و قدر نے ازل سے ہی نیک نامی کی راہ سے گذرنے نہیں دیا۔ اگر تجھے میری یہ راہ و روش پسند نہیں ہے تو تو قضائے الٰہی کو بدل دے)

از ہرزہ رواں گشتن قلزم نه تواں گشتن
جویی به خیاباں رو سیلی به بیاباں شو

ہرزہ: فضول، ناکارہ، آوارہ گرد۔ رواں گشتن: روانہ ہونا، جاری ہونا۔ قلزم: اصل معنی وہ بحیرہ جو عرب اور مصر کے درمیان واقع ہے۔ کنایۃً گہرا سمندر، بحر بے پایاں۔ نه تواں گشتن: نہیں ہو سکتا، نہیں بن سکتا۔ جو، جویے: باریک نہر۔ خیاباں: وہ وسیع و کشادہ راستہ جو کسی باغ میں بنایا جائے اور جس کے دونوں طرف پھولوں کی کیاریاں ہوں، ہموار و کشادہ راہ۔ سیل: پانی کا ریلہ، طغیانی۔ بیاباں: ریگزار، خشک و بے آب صحرا۔

یونہی بے مقصد و ارادہ جاری رہنے سے تو گہرا سمندر نہیں بن سکتا تو باریک سی نہر بن کہ باغ

کی روش پر رواں رہ اور معمولی سی طغیانی خشک صحرا کے لیے بن جا۔ اسی مسئلے پر مولانا روم فرماتے ہیں:

پایہ پایہ رفت باید سوے بام
ہست جبرے بودن ایں جا طمع خام

(سیڑھی کے ایک ایک پلے پر پیر رکھ کر چھت پر جانا چاہیے۔ یہاں خود کو مجبور کہنا انسان کی خام خیالی ہے)

ہم خانہ بہ ساماں بہ، ہم جلوہ فراواں بہ
در کعبہ اقامت کن، در بتکدہ مہماں شو

ہم: بھی۔ خانہ: گھر۔ ساماں: وسایل آسودگی و آسایش، گھر کے اسباب و وسایل۔ بہ: اچھا۔ جلوہ: خود نمائی، نمود و نمایش۔ فراواں: بکثرت، بہت زیادہ۔ اقامت کن: قیام کر۔ بتکدہ: مندر۔

وسائل زندگی سے گھر آراستہ ہو تو اچھا ہے۔ جلوہ و خود نمایی بہت زیادہ ہو تو یہ بھی اچھا ہے۔ تو کعبے میں قیام کر اور بت خانے میں مہمان بن کر رہ۔

توضیح: حضر میں ظہر، عصر اور عشاء کی چار فرض رکعتیں ہر مسلمان پر واجب ہیں مگر وہ سفر میں ہو تو نماز قصر پڑھی جاتی ہے یعنی چار کی جگہ صرف دو رکعت، مگر خانۂ کعبہ میں نماز قصر ادا نہیں کی جاتی کیوں کہ وہ خانۂ خدا ہر مسلمان کا اپنا گھر ہے۔ اسلام سے قبل بھی اور ظہور اسلام کے بعد بھی زایرین بیت اللہ کی سہولتوں کے لیے قبائل روشنی، فرش وغیرہ کا خاص طور پر اہتمام کرتے تھے۔ چناں چہ حجاج بیت اللہ کے لیے پانی کی فراہمی اس خاندان کی ذمہ داری تھی، جس میں رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

جو لوگ مورتی کی پوجا کرتے ہیں ان کے لیے مورتیاں بنانا عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ ہر فنکار نے جب اپنے دیوتا کی مورتی بنائی تو اس پر جتنی بھی لطافت و زیبایش ممکن ہو سکتی تھی نمایاں کر دی۔

فارسی بیں

(غالبؔ کا منتخب فارسی کلام مع ترجمہ)

انتخاب : نیر مسعود

ترجمہ : یونس جعفری

خواند بہ اُمیدِ اثر اشعارِ غالبؔ ہر سحر
از نکتہ چینی در گزر فرہنگ و ادراکش نگر

سرمستِ ادا چوں به زمیں باز خرامد
از خاک دمد غنچه ز نقشِ قدمِ او

ادا: ناز، عشوہ۔ خرامد: (از مصدر خرامیدن: ٹہلنا، ناز سے چلنا) ناز سے چلتی ہے۔

ناز و عشوہ سے سرشار جب وہ زمین پر آہستہ آہستہ چلتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اس کے پیروں کے گہرے نشانات سے گردو خاک پر غنچے اگنے لگے ہیں۔

چوں صورتِ آئینه ز افراطِ لطافت
آید به نظر بچّهٔ او از شکمِ او

صورتِ آئینہ: وہ شکل جو صاف و شفاف آئینے میں نظر آئے۔ افراط: زیادتی، کثرت۔ لطافت: صفا، پاکیزگی۔

وہ بچہ جو اس کے شکم سے پیدا ہوا ہے کثرت صفاو پاکیزگی کے باعث دیکھنے میں ایسا لگتا ہے جیسے کوئی شکل آئینے میں نظر آرہی ہو۔

گر جانورے مرده ببیند سرِ راہے
از پاکی طینت نه خورد غیر غمِ او

طینت: سرشت، فطرت۔ خورد غم: غم کھاتی ہے۔ غیر: علاوہ۔

اگر راستے میں وہ کوئی مرا ہوا جانور دیکھ بھی لے تو اپنی سرشت کی پاکیزگی کی وجہ سے اس کے غم کے علاوہ وہ کچھ نہیں کھاتی (وہ مردار جانوروں کو تو نہیں کھاتی البتہ اس کا غم کھاتی ہے)

ہر بچّه که کنجشک به وے باز سپارد
در پرورشِ او نه خورد جز قسمِ او

کنجشک: چڑیا۔ باز سپادر: (از مصدر سپردن: حوالے کرنا، سونپ دینا) سونپ دیتی ہے، سپرد کردیتی ہے۔

چڑیا جس بچّے کو بھی اس کے سپرد کردیتی ہے۔ اس کی پرورش میں وہ اس کی قسم کے علاوہ کچھ اور نہیں کھاتی۔

آرے بود از غیرتِ اندازِ خرامش
بر کبک و تدرو است اگر خود ستمِ او

آرے: ہاں۔ انداز: طرز، رفتار۔ خرامش: (از مصدر خرامیدن ٹہلنا، ناز سے چلنا) چہل قدمی۔

ہاں! اس کی چہل قدمی کی جو ادا ہے اس کی غیرت سے کبک اور تدرو پر خود اس کا ستم ہوتا ہے۔

(اگرچہ کبک اور تدرو اپنی خوش رفتاری کے لیے مشہور ہیں مگر بلّی کی چہل قدمی کو دیکھ کر انھیں ایسی غیرت آتی ہے کہ اس کی چہل قدمی ان پرندوں پر جور و ستم کرتی ہے)

رخشنده ادیمِ تنش از لطف زبانش
گوئی به اثرتابِ سهیل است نمِ او

رخشندہ: درخشندہ (از مصدر درخشیدن ۔چمکنا) چمکتا ہوا، تابان۔ ادیم۔ کمایا ہوا چمڑہ، کھال، سطح۔
تنش: تنِ او، اس کا جسم۔ لطف: نرمی۔ زبانش: زبان اور، اس کی زبان۔ گوئی: گویا، تو کہے گا۔
تاب: درخشندگی، چمک۔ سہیل: اس ستارے کا نام جو موسم گرما کے آخری دنوں میں طلوع ہوتا ہے۔

اس کے جسم کی کھال پر نمی اس کی زبان کی نرمی سے گویا سہیل ستارے کی درخشندگی کے اثر سے ہے۔

(بلّی جب زبان سے اپنے جسم کو چاٹتی ہے تو اس کی نمی سے اس کی کھال چمکنے لگتی ہے جس کی وجہ سے کھال ایسی چمکدار ہو جاتی ہے گویا سہیل ستارے کا اس پر اثر پڑ گیا ہو)

جوشِ گل و بالیدگیِ موجۂ رنگ است
دم لابه کنان آمدنِ دم به دم او

بالیدگی: (از مصدر بالیدن: بڑھنا، بڑا ہونا) افزائش، روئیدگی۔ موجہ: ایک موج۔ لابۂ: چاپلوسی، عاجزی، زاری۔ دم بہ دم: لحظہ بہ لحظہ، لمحہ بہ لمحہ۔

چاپلوسی کرتے ہوئے اس کا ہر دم آنا اور دم کا ہلانا (گویا) جوشِ گل (پھولوں کی لہر) اور رنگوں کی جوش مارتی ہوئی ایک موج ہے۔ (شعر کے دروبست سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلّی چتکبری

تھی اور اس کی دم پر گھنے بال تھے۔ تو شاعر کو یہ محسوس ہوتا کہ پھولوں اور رنگوں کی ایک لہر ہے جو فضا میں موجزن ہے)

در عربده چوں بند ز دم باز کشاید
لرزد شکنِ طرّۂ خوباں ز خمِ او

عربده: چیخ، بدخوئی، بدمستی، چیخ پکار۔ بند: گرہ، پھندا۔ لرزد: (از مصدر لرزیدن) لرزنا، کانپنا۔
شکن: بل۔ خم: کجی، جھکاؤ، خمیدگی۔

غضب میں آکر جب وہ اپنی دُم کو گرہ بنا کر اسے پھر کھولتی ہے تو دُم کے اس بل سے حسینوں کا حلقۂ زلف بھی لرزنے لگتا ہے۔

تا مہرہ کشِ صفحۂ افلاک بود مہر
بادا کفِ دستِ من و پشت و شکمِ او

مہرہ کش: وہ شخص جو کاغذ کو جلا دینے کے لیے اس پر کوڑی پھیرے۔ صفحۂ افلاک: سطح آسمان۔ بادا: (اس لفظ میں حرف الف دعائیہ ہے) مخفف بواد، ہو۔ کف دست: ہتھیلی۔
پشت: پیٹھ۔ شکم: پیٹ۔

جب تک سورج (مہر) سطح آسمان پر مہرہ پھیرتا رہے۔ اس وقت تک میرا ہاتھ ہو جسے میں اس کی پشت اور اس کی پیٹ پر پھیرتا ہوں۔

آں پسندیده خوے عارف نام
که رُخش شمع دود مانِ من است

پسندیده: (از مصدر پسندیدن) خوش آیند، مطبوع۔ پسندیده خوے: پسندیدہ عادت کا۔
رُخش: رُخ او، اس کا چہرہ۔ دود مان: خاندان۔

وہ خوش خلق (انسان) جس کا نام عارف ہے اس کا چہرہ میرے خاندان کی شمع ہے۔

از نشاطِ نگارشِ نامش
خامہ رقّاص دربنانِ من است

نشاط: مسرت، خوشی، شادمانی۔ نگارش: (حاصل مصدر از نگاشتن: نقوش بنانا، خوش خط لکھنا) تحریر۔ نامش: نام او، اس کا نام۔ رقّاص: جو ہمیشہ رقص کرے، ناچنے والا۔ بنان: جمع بنانہ، انگلیاں۔

اس کا نام لکھنے کی خوشی میں قلم (ہمیشہ) میری انگلیوں میں ناچنے لگتا ہے۔

آں کہ در بزمِ قرب و خلوتِ انس
غم گسارِ مزاج دانِ من است

بزم: محفل۔ بزم قرب: نزدیکی کی محفل۔ خلوت: تنہائی۔ انس: ہمدمی۔ غم گسار (ترکیب عربی و فارسی) (از مصدر گساردن / گساردن: کھانا) غم کھانے والا۔ مزاج داں: مزاج شناس، طبیعت کو جاننے والا۔

یہ وہ شخص ہے جو نزدیکی کی محفل اور ہمدمی کی تنہائی میں میری فطرت کو جانتا ہے اور میرے غم کو ہلکا کر دیتا ہے۔

ہم بہ روے تو مائلم مائل
کایں گلِ باغ و بوستانِ من است

مائل: راغب، متوجہ۔ مائلم: میں متوجہ ہوں، میں راغب ہوں۔ کایں: کہ ایں، کہ یہ۔

میں تیرے چہرے کی طرف بھی راغب و متوجہ ہوں کیوں کہ یہ میرے باغ و بوستاں کا پھول ہے۔

ہم ز کلکِ تو خوش دلم خوش دل
کاں نہالِ ثمر فشانِ من است

کلک: قلم۔ خوش دلم: خوش دل ہستم، میں شاد و مسرور ہوں۔ نہال: پودا۔ ثمر: پھل۔ ثمر فشان: بیج بکھیرنے والا، تخم پاش۔

میں تیری قلم (طرز نگارش) سے مسرور و شاداں ہوں کیوں کہ یہ میرا ثمر بار پودا ہے۔

سودِ سرمایۂ کمال منی
سخنت گنجِ شائگانِ من است

سود : نفع، فایدہ۔ سرمایہ: پونجی، وہ نقد مال جو تجارت میں لگایا جائے۔ کمال: تمام۔ منی: تن ہستی، تو میرا ہے۔ سخنت: سخنِ تو، تیرا کلام۔ گنج شائگان: شاہوں کے قابل خزانہ۔

تو میرے کمال کے سرمایہ کا نفع ہے، تیرا کلام میرا گنج شاہاں ہے۔

جائے دارد کہ خویش را نازی
کہ ظہورِ تو درزمان من است

جائے دارد : (از مصدر داشتن) یہ مناسب، یہ (مناسب) جگہ ہے۔ ناری : (از مصدر نازیدن: فخر کرنا) تو فخر کرے، تو ناز کرے۔ ظہور : آشکار ہونا، نمایاں ہونا۔

یہ مناسب ہے کہ تو خود پر فخر و ناز کرے کیوں کہ تو میرے زمانے میں نمودار ہوا ہے۔

بہ یقیں داں کہ غیرِ من نہ بود
گر نظیرِ تو در گمان من است

بہ یقین دان: (از مصدر دانستن) یقین سے جان، باور کر۔ غیر من: میرے علاوہ۔ نظیر: مثل، مانند، مساوی۔ گمان: خیال، وہم۔

یہ یقین جان کہ تیری مانند اگر کوئی شخص میرے خیالوں میں ہے تو وہ میرے علاوہ اور کوئی نہیں۔

اے کہ میراث خوارِ من باشی
اندر اردو کہ آں زبان من است

میراث خوار: وہ شخص جو اپنے آباؤ اجداد کی وفات کے بعد ان کے مال کا مالک ہو۔ وارث مال۔ (یہ ترکیب فارسی زبان میں ناپسندیدہ ہے اور اسے گالی کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا مترادف "مردوں کا مال سمیٹنے والا" ہے)۔

اے (عارف) اردو میں جو میری زبان ہے۔ تو میرا وارث و جانشین ہو گا۔

ارمغانے ز مبدأِ فیّاض
باد آنِ تو ہر چہ آنِ من است

ارمغانے: وہ ارمغان، وہ سوغات، وہ تحفہ۔ مبدأ: جائے آغاز، کسی چیز کے شروع ہونے کی جگہ۔ فیاض پانی سے لبریز نہر یا چشمہ۔ بہت زیادہ سخی، بہت زیادہ فیض رساں۔ مبدأ فیاض: ذات باری تعالیٰ۔ آں مال، ملکیت۔ باد آنِ تو: وہ تیری ملکیت ہو۔ ہرچہ: جو کچھ۔ آن من است: میرا مال ہے، میری ملکیت ہے۔

وہ ہدیہ جو سرچشمہ فیاض (ذات باری تعالیٰ) سے (آج) میری ملکیت ہے۔ وہ (کل) تیرا مال ہو۔

☆

بہ آدم زن، بہ شیطاں طوقِ لعنت
سپردند از رہِ تکریم و تذلیل

طوق: گردن بند، حلقہ گردن۔ لعنت: ایک مرتبہ بددعا کرنا، پھٹکار، دھتکار۔ طوقِ لعنت: رسوائی، ذلت۔ سپردند: (از مصدر سپردن: حوالے کرنا، سپرد کرنا) انھوں نے حوالے کیا، قضا و قدر کے سپرد کیا۔ تکریم: عزت کرنا، احترام کرنا، خاطر و تواضع۔ تذلیل: خوار و رسوا کرنا، رسوا و خوار سمجھنا۔

(قضا و قدر کی طرف سے) آدم کو عورت اور شیطان کو رسوائی ایک، کو عزت کے ساتھ اور دوسرے کو خواری کی راہ پیش کی گئی۔

ولیکن در اسیری طوقِ آدم
گراں تر آمد از طوقِ عزازیل

اسیری: قید۔ گراں تر: زیادہ بھاری۔

لیکن قید میں آدم کا طوق عزازیل یعنی ابلیس سے کہیں بھاری ثابت ہوتا۔

☆

دگر در سر استم کہ ازروے مستی
شرابے بہ ساقیِ کوثر فرستم

دگر: دو مرتبہ، دوبارہ۔ درسر استم: درسر آں ہستم، اس فکر میں ہوں، میرے سر میں یہ سمائی ہے۔ ازروے مستی: مستی کے عالم میں، مستی کی وجہ سے۔ شرابے (اس لفظ میں یاے تحقیری ہے) تھوڑی سی شراب۔ ساقیِ کوثر: آنحضرت (ص) کا لقب۔ فرستم: (از مصدر فرستادن: بھیجنا) بھیجوں، روانہ کروں۔

میں دوبارہ اس فکر میں ہوں کہ مستی کے عالم میں تھوڑی سی شراب ساقیِ کوثر کو بھیجوں۔

به پهنائے فردوس سنبل فشانم
به گردونِ گردنده اختر فرستم

پہنا: عرض، وسعت، فراخی۔ سنبل: خوشۂ گیہوں یا جو کی بال، ایک قسم کا پھول۔ گردوں: آسمان۔ گردندہ: (از مصدر گردیدن: گھومنا) گھومتا ہوا، چکر لگاتا ہوا۔ فشانم (از مصدر فشاندن / افشاندن) بکھیروں۔

جنت کی وسیع زمین پر سنبل پاشی کروں۔ گھومتے ہوئے آسمان پر ستارے برساؤں۔

به استاد منشورِ معنی نویسم
به جمشید اورنگ و افسر فرستم

منشور: فرمان، اعلان، کھلا خط، مدلل و پر مفہوم کلام۔ نویسم: (از مصدر نوشتن: لکھنا) لکھوں۔ اورنگ: تختِ شاہی۔ افسر: تاج شاہی۔

استاد کو ایسا کھلا خط لکھوں جو مطالب و مفاہیم سے لبریز ہو۔ جمشید بادشاہ کی خدمت میں تخت و تاج روانہ کروں۔

به رخسارهٔ مهر گلگونه بخشم
به گنجینهٔ شاه گوهر فرستم

رخسار، رخسارہ: صورت، چہرہ۔ مہر: خورشید، سورج۔ گلگونہ: سرخاب، غازہ۔ گنجینہ: خزانہ، گنج۔

سورج کے چہرے کے لیے غازہ بھیجوں، خزانہ شاہی کے لیے جواہرات روانہ کروں۔

ہمانا برآنم کہ اشعارِ خودرا
بہ مرزا خدا بخش قیصر فرستم

ہمانا : مثل، مانند، گویا کہ۔ برآنم، برآن ہستم: یہ تہیہ کیے ہوئے ہوں، میرا یہ ارادہ ہے۔ مرزا : مخفف میرزا، امیرزادہ: شاہزادوں کا لقب۔ قیصر: یونانی لفظ "کیسر" (Kaiser) کا معرب، وہ بچہ جس کی پیدائش کے لیے شکم مادر چاک کیا گیا ہو۔

ایسا لگتا ہے میں یہ قصد کر چکا ہوں کہ اپنا کلام میرزا خدا بخش قیصر کے پاس بھیجوں۔

☆

بہ روز حشر الٰہی چوں نامۂ عملم
کنند باز کہ آں روزِ باز خواہِ من است

حشر: لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنا۔ روز حشر : قیامت کا دن۔ نامۂ عمل : کارنامہ، دفترچۂ اعمال۔ نامۂ عملم : میرے اعمال کا دفترچہ۔ کنند باز، باز کنند: (از مصدر کردن) آشکارا کریں گے۔ روزِ باز خواہ، روز باز خواست: پرسش کا دن، روز حشر۔

یاالٰہی! روز حشر، جو میری پرسش کا دن ہوگا جب (فرشتے) میرے نامۂ اعمال کو وا کریں گے (کھولیں گے)۔

بکن مقابلہ آں را ز سر نوشتِ ازل
اگر زیادہ و کم باشد آں گناہِ من است

بکن مقابلہ، مقابلہ کن: فعل امر (از مصدر: کردن) مقابلہ کر۔ سرنوشت: تقدیر۔ ازل: وہ جس کا آغاز نہ ہو۔ زیادہ کم باشد: کم و بیش ہو۔ آن گناہ من است: وہ میرا گناہ ہے۔ وہ میرا قصور ہے۔

اس کا مقابلہ تو اس تقدیر سے کر جو روز ازل لکھ دی گئی ہے۔ اگر اس میں کچھ کمی بیشی ہو تو قصور میرا ہے۔

تو اے کہ شیفتہ و حسرتی لقب داری
ہمی بہ لطفِ تو خود را امیدوار کنم

تو وہ شخص ہے جس کا لقب (تخلص) شیفتہ اور حسرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ خود کو تیری مہربانی سے پرامید رکھتا ہوں۔

چوحالی از منِ آشفتہ بے سبب رنجید
تو گر شفیع نہ گردی بگو چہ کار کنم

آشفتہ: سراسیمہ، شوریدہ، پریشان حال۔ بے سبب: بےوجہ، بلا سبب۔ رنجید: (از مصدر رنجیدن) آزردہ خاطر ہونا۔ شفیع: وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کو معافی کا خواہش مند و متمنی ہو یا اس کام میں اس کی مدد کرے۔ شفاعت کرنے والا۔

چوں کہ حالی مجھ سے بلاوجہ آزردہ خاطر ہو گیا ہے۔ اگر تو میری سفارش نہ کرے تو بتا کہ میں کیا کروں۔

دوبارہ عمر دہندم اگر بہ فرضِ محال
برآں سرم کہ درآں عمر ایں دو کار کنم

دوبارہ: دوسری بار۔ عمر دہندم: (از مصدر: دادن) مجھے عمر دیں، مجھے زندگی دیں۔ فرض محال: ایسا تصور جو امکان پذیر نہ ہو سکے۔ برآں سرم: اس خیال میں ہوں، یہ ارادہ رکھتا ہوں۔

اگر مجھے دوسری بار زندگی دیں تو میرا یہ قصد و ارادہ ہے کہ اس زندگی کو دو کاموں میں صرف کروں۔

یکے ادائے عباداتِ عمر پیشینہ
دگر بہ پیش گہِ حالی اعتذار کنم

عبادات: جمع عبادت، بندگی۔ پیشینہ: سابقہ، گذشتہ۔ پیشگہ: مخفف پیشگاہ، آستانہ، درگاہ۔ اعتذار: عذر چاہنا، معافی، معافی کا خواستگار ہونا۔

ایک تو یہ کہ میں اپنی گذشتہ عمر کی نمازیں ادا کروں۔ اور دوسرے یہ کہ (خواجہ) حالی کے

آستانے کے روبرو عذر خواہی کروں۔

☆

چو میر فضلِ علی را نمانده است وجود
تو روے دل بخراش اے اسیر رنج و محن

چو: چوں کہ، جب کہ۔ نمانده: (از مصدر ماندن) نہیں رہ گیا ہے۔ باقی نہیں بچا ہے۔ وجود ہستی۔ بخراش: (از مصدر خراشیدن: کھرچنا، نوچنا) نوچ، کھرچ۔ رنج: آزار، درد۔ محن: جمع محنت: اندوہ، بلا، کرب۔

(اب) جب کہ میر فضل علی کا وجود باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اے! اندوہ و بلا کے قیدی تو اپنے دل کے چہرے کو نوچ۔

چوشد "وجود" گم و روئے "دل" خراشیده
شود زاسم خودش سالِ رحلتش روشن

شد: (از مصدر شدن: ہونا) ہوگیا۔ خراشیده: اسم مفعول، کھرچا ہوا، بچا ہوا۔ شود ہوگا، ہوتا ہے۔ اسم خودش: خود اس کے نام سے۔ رحلتش: اس کی رحلت، اس کی روانگی، اس کی وفات۔ روشن: عیاں، ظاہر۔

جب "وجود" گم اور "دل" کا چہرہ خراش زدہ ہو جائے گا (اس وقت) اس کے اپنے نام سے اس کا سال وفات عیاں ہوگا۔ (میر فضل علی: ۱۲۷۰)۔

قطعات

'درد و داغ'

بی ثمرے برزگری پیشه داشت
دردِل صحراے جنوں ریشه داشت

بی ثمر: بے برگ و بار، بے ساز و سامان، مفلس و قلاش۔ برز: زراعت، کاشتکاری۔ برزگر: کاشتکار، کسان۔ ریشه: جڑ، جڑ بنیاد، ٹھکانہ۔

ایک مفلس شخص کا پیشہ کاشتکاری تھا صحراے جنوں کے بالکل درمیان اس کا مسکن و کاشانہ تھا۔

دستِ تہی آئنۂ قسمتش
زخمِ دل و داغِ جگر دولتش

دست تہی: تہی دست: خالی ہاتھ۔

اس کا خالی ہاتھ اس کی قسمت کا آئنہ تھا۔ دل کے زخم اور جگر کے داغ ہی اس کا سرمایہ تھا۔

خانه اش از دشت خطرناك تر
پیرهنش از جگرش چاك تر

خانه اش: اس کا گھر۔ خطرناك تر: زیادہ خطرناک۔ پیرہنش: اس کا کرتا۔ چاك تر: زیادہ پارہ پارہ۔

اس کا گھر بیابان سے کہیں زیادہ پر خوف و خطر اور اس کا لباس جگر سے کہیں زیادہ چاک چاک تھا۔

ہر سحرش تیرہ تر از تیرہ شام
فاقہ پیے فاقہ کشیدے مدام

ہر سحرش: اس کی ہر صبح۔ تیرہ تر: زیادہ سیاہ۔ پیے: پیچھے، ایک کے بعد ایک۔ کشیدے: می کشید: کھینچتا تھا۔ مدام: ہمیشہ، مسلسل۔

اس کی ہر صبح شام سے کہیں زیادہ تاریک تھی (اور) وہ مسلسل فاقے پر فاقہ برداشت کیے جا رہا تھا۔

مادرکے و پدرے پیر داشت
ربط بہم چوں شکر و شیر داشت

مادرک: بے چاری ماں۔ مادرکے: ایک بے چاری ماں۔ پدرے: ایک باپ۔ ربط: تعلق، الفت۔ بہم: مخفف باہم، ایک ساتھ۔

اس کی ایک لاچار ماں اور (ضعیف) باپ تھا۔ ان (دونوں) کے ساتھ اس کا وہی ربط و تعلق تھا جو شیر و شکر میں ہوتا ہے۔

بسکہ دل از تنگیِ ساماں گرفت
با اب و اُم راہِ بیاباں گرفت

بسکہ: اس کثرت سے، اتنا زیادہ۔ دل گرفتن: آزردہ خاطر ہونا۔ دل گرفت: رنجیدہ خاطر ہوا۔ تنگی: قلت۔ اب: باپ۔ اُم: ماں

خانگی ساز و سامان کی قلت کے باعث وہ ایسا رنجیدہ خاطر ہوا کہ ماں اور باپ کے ساتھ اس نے صحرا کی راہ لی۔

ہر سہ تن آئینۂ وحشت شدند
بادیہ پیمائے سیاحت شدند

ہر سہ تن: تینوں ہی دم۔ آئینہ وحشت: چہرے پر ایسی پریشانی کہ دیکھنے والے کو یہ محسوس ہو کہ پریشان حال شخص کا چہرہ گویا آئینہ ہو اور وحشت اس میں اپنا منہ دیکھ رہی ہے۔ بادیہ پیمودن: صحرا کا سفر

کرنا۔ سیاحت: سفر، بیابان نوردی۔

تینوں ہی فرد ایسے پریشان خاطر ہوئے کہ ان کے چہرے سے وحشت و پریشانی کے آثار ہویدا تھے (ان کے چہرے پریشانی کا آئینہ تھے) چناں چہ سفر کے ارادے سے وہ صحرا گردی کے لیے روانہ ہو گئے۔

مرحله اے چند نوشتند راه
تا برسیدند به دشتے تباه

مرحلہ: منزل، مسافر کے اترنے اور کوچ کرنے کی جگہ۔ نوشتند: (از مصدر نوشتن: راستہ طے کرنا) انھوں نے راستہ طے کیا۔ برسیدند: (از مصدر رسیدن) وہ پہنچے۔ دشت: صحرا، بیابان، جنگل۔ تباہ: ویران۔

انھوں نے راستے کی کئی منزلیں طے کیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک ویران لق و دق میدان میں پہنچ گئے۔

ہر قدم آں جا به سرِ دار بود
عربدۂ آبله و خار بود

دار: شہتیر۔ سرِ دار: شہتیر کا بالائی حصہ، شہتیر کی نوک، وہ ستون جس پر مجرم کو پھانسی دی جاتی ہے۔
عربدہ: تند خوئی، بد مزاجی، شور و غوغا۔

وہاں ہر قدم (گویا) سولی پر پیر رکھنا۔ اور (جگہ جگہ) آبلہ پا اور خار کے درمیان باہمی کش مکش (کا منظر) تھا۔

بود بهم ہر غم و رنجے که بود
تشنه لبی آفتِ دیگر فزود

رنج: آزار، درد۔ تشنہ: پیاسہ۔ تشنہ لبی: پیاس۔ آفت: مصیبت، بلا، آسیب۔ فزود: (از مصدر فزودن یا افزودن) اضافہ کردن۔

غم و آزار جو ایک ساتھ تھے وہ تو (اپنی جگہ) تھے ہی۔ اس پر (مزید یہ کہ) پیاس نے ایک نئی

مصیبت میں اضافہ کر دیا۔

از تپش دل بہ تمنایے آب
طرف نہ بستند بجز اضطراب

تپش (از مصدر تپیدن: دھڑکنا) گوشۂ دھڑکن۔ طرف: (بفتح طاو سکون را) آنکھ، گوشۂ چشم۔ طرف بستن: آنکھ جھپکنا۔ طرف نہ بستند: ان کی آنکھ نہیں جھپکتی تھی۔ اضطراب: قلق، بے تابی، بے چینی۔

پانی کی آرزو میں ان کے دل کی دھڑکن ایسی (تیز) ہو گئی تھی کہ وہ قلق و اضطراب کے علاوہ (کسی اور وجہ سے) پلک تک نہ جھپکاتے۔

دامنِ جہدے بہ کمر بر زدند
تا قدمے چند مکرر زدند

دامن بر کمرزدن: دامن کو کمر کے گرد لپیٹ لینا، دامن کو کمر پر کس لینا۔ دامن بر کمرزدند۔ انھوں نے کمر کس لی، انھوں نے پھر ہمت کی۔ جہد: کوشش، سعی و کوشش۔ قدم زدن: راستہ طے کرنا، راستہ چلنا۔ مکرر: دوبارہ، دومرتبہ، ایک مرتبہ پھر۔

انھوں نے سعی و کوشش (جد و جہد) کا دامن اپنی کمر پر کسا۔ یہاں تک کہ وہ چند قدم (اور) دوبارہ آگے چل سکے۔

کرد سیاہی بہ نظر ہا ز دور
سایۂ نخلے و ہجوم طیور

سیاہی: سواد، کسی بستی یا آبادی کے نشانات جو دور سے نظر آئیں۔ نظر ہا: جمع نظر، نگاہیں۔ نخل: کھجور کا درخت۔ ہجوم: ازدہام، جھنڈ۔

دور سے سیاہی (بستی کے نشانات) نے درختوں کے سایے اور پرندوں کے جھنڈ نگاہوں کے سامنے (نمایاں) کر دیے۔

پا بخرامید به سعی نگاه
تا برسیدند بداں جایگاه

خرامیدن ٹہلنا، آہستہ آہستہ چلنا۔ خرامید: آہستہ آہستہ چلا۔ رسیدند: (از مصدر رسیدن۔ پہنچنا) وہ پہنچے۔ جایگاہ: منزل، مقام۔ بداں جایگاہ اس جگہ پر، اس مقام پر۔

نظر کی کوشش سے پیر آہستہ آہستہ آگے بڑھے یہاں تک کہ وہ اس جگہ پر پہنچ گئے۔

بود به پیغوله اے ویرانی اے
تکیۂ درویشِ بیابانی اے

پیغوله گوشہ، کونہ۔ پیغوله اے ایک گوشہ، ایک کونہ۔ ویرانی خرابی۔ ویرانی اے کوئی ویران بستی، کوئی اجاڑ بستی۔ تکیه درویشوں کے رہنے کی جگہ۔ بیابانی بیابان کا رہنے والا۔ بیابانی اے بیابان کا ایک باشندہ۔

کسی ویران و سنسان بستی میں ایک گوشۂ تنہائی تھا جو کسی بیابان میں رہنے والے درویش کا تکیہ تھا۔

تابه سرِ تکیه رسیدند شاں
آب به ایما طلبیدند شاں

ایما: اشارہ۔ طلبید ند: انھوں نے طلب کیا، انھوں نے مانگا۔

یہاں تک کہ وہ اس تکیے کے سرے تک پہنچ گئے۔ (اور) اشارے سے پانی مانگا۔

مردِ فقیر از سرِ سجاده جست
جام به دستے و سبوے به دست

فقیر: طالب حق، ایسا شخص جو صرف خدا سے ہی سوال کرے۔ سجادہ: سجدہ کرنے کی جگہ، جائے نماز۔ جست: (از مصدر جستن: اچھلنا) اچھلا، اچکا۔ جام: پیالہ۔ سبو: صراحی، دستے دار بدھنی کی شکل کا برتن۔

ایک درویش مرد جائے نماز پر سے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پیالہ تھا اور

ایک ہاتھ میں صراحی۔

تا نمِ آبے بہ گلو ہا رسید
دورِ پیاپے بہ سبو ہا رسید

تا: جیسے ہی۔ نم آبے: پانی کی تھوڑی سی تری۔ گلوہا: جمع گلو: حلق۔ دور: گردش۔ پیاپے: پیاپے، یکے بعد دیگرے، ایک کے بعد ایک، متواتر، مسلسل۔ سبوہا: جمع سبو: صراحی۔

جیسے ہی پانی کی ذرا تری حلق میں پہنچی۔ تو جام کے دور متواتر چلنے لگے۔

ریشۂ ہستی بہ دمیدن رسید
نشۂ مستی بہ رسیدن رسید

ریشہ: جڑ۔ ہستی: حیات، زندگی۔ دمیدن: اگنا، نشوونما پانا۔ دمیدن رسید: دمیدن گرفت اگنے لگا۔ نشہ: شراب کے اثرات نمایاں ہونے کی کیفیت، سرور۔ رسیدن رسید: رسیدن گرفت۔ اوج پر جانے لگا، اونچائی پر پہنچنے لگا۔

زندگی کے رگ و پے (رگ و ریشے) نے نشوونما پانی شروع کی۔ مستی کی کیفیت (نشہ) نے اوج پر پہنچنا شروع کیا۔

تشنۂ عرضِ سخن آمد فغاں
گشت بیاں ہا بہ سخن ترزباں

تشنہ: پیاسا۔ فغاں: افغاں: آہ، نالہ زاری۔ بیاں ہا: جمع بیان، فصاحت، زبان آوری۔ تر زبان: فصیح، جوش بیان۔

اظہار بیان کا پیاسا آہ و زاری کرنے لگا اور بیان زباں آوری سے دل پذیر ہو گئے۔

ہر یکے از درد بہ درویش گفت
پارہ اے از دردِ دلِ خویش گفت

ہر یکے: ہر ایک نے۔ درد: حال غم، داستان، رنج و اندوہ۔ پارہ اے: تھوڑا سا، کچھ حصہ۔ درد دل: غبار خاطر دل کی بھڑاس، دکھڑا۔

ان میں سے ہر ایک نے اپنا حال غم درویش کو سنایا۔ ان کا جو رنج و اندوہ تھا اس کا کچھ حصہ انھوں نے (اس سے) بیان کیا۔

کاے چمن آرایے گلستانِ فیض
خضرِ قدم گاہِ بیابانِ فیض

کاے: کہ اے!۔ چمن: کیاری۔ چمن آرا: (از مصدر آراستن: سنوارنا، سجانا) چمن سجانے والے۔ گلستان: ایسی جگہ جہاں کثرت سے پھول ہوں، گلزار۔ فیض: سخاوت، بہرہ مندی۔ قدم گاہ: قدم رکھنے کی جگہ، پگڈنڈی، راستہ۔ بیابان: صحرا، لق ودق میدان۔

کہ اے! گلستانِ بہرہ مندی کے چمن کو رونق بخشنے والے۔ صحرائے سخاوجود کی راہ کے ہادی و راہنما۔

گر نگہے نامزدِ ما کنی
عقدہ ز سرشتۂ ما وا کنی

نگہے: مخفف نگاہے: ایک نگاہ، ایک نظر۔ نامزد کردن: مخصوص کرنا، موسوم کرنا۔ عقدہ: گرہ۔ سر رشتہ: رسّی کا سرا، چارۂ کار، مدعا، مقصود۔ واکنی: (از مصدر مرکب واکردن: کھولنا) واکردے، باز کردے۔

اگر تو ایک ہی نظر ہم سے موسوم کردے تو ہمارے مقصود کی راہ میں جو گرہ ہے وہ کھل جائے۔

پیر بجوشید ز گفتارِ شاں
گریہ اش آمد بہ سرو کارِ شاں

پیر: ضعیف آدمی یا ہادی طریقت۔ جوشید: (از مصدر جوشیدن: ہیجان میں آنا) ہیجان میں آگیا۔ گفتار شاں: ان کی گفتار، ان کی بات چیت۔ گریہ: زاری۔ بہ سروشاں: ان کی حالت پر، ان کی کارگزاری پر، ان کے اعمال وافعال پر۔

پیر کا دل ان کی باتوں سے پانی پانی ہو گیا۔ اسے ان پر اور ان کی زبوں حالی پر رونا آگیا۔

کرد نگہ بر ورقِ دل درست
طالع شاں در نظر آورد چست

کردنگہ: نگاہ کرد۔ نظر ڈالی۔ درست: صحیح، ٹھیک۔ طالع: نصیب، قسمت، مقدر۔ طالع شاں: ان کا نصیب۔ در نظر آورد: نظر میں لایا۔ چست: جلدی، فوراً۔

اس نے اپنے دل کے ورق پر ٹھیک ٹھیک نگاہ ڈالی۔ اور ان کا مقدر وہ فوراً ہی اپنی نظروں کے سامنے لایا۔

دید کہ در قسمت شاں ہیچ نیست
حاصل شاں غیر خم و پیچ نیست

دید: (از مصدر دیدن) اس نے دیکھا۔ قسمت: مقدر، بخت، نصیب۔ قسمت شاں: ان کا نصیب، ان کا بخت۔ حاصل: آمد، نتیجہ، میوہ، پھل۔ خم و پیچ: گردش، نصیب کا چکّر۔

اس نے دیکھا کہ ان کے نصیب میں تو کچھ بھی نہیں۔ (اور ان کی محنت کا) نتیجہ گردش (بدبختی) کے علاوہ کچھ اور نہیں۔

زار بنالید کہ یا ذوالجلال
آب شدم از اثرِ انفعال

نالیدن: رونا۔ زار بنالید: پھوٹ پھوٹ کر رونا۔ ذوالجلال: صاحب جاہ و مرتبہ، خداوند تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام۔ آب شدم: میں پانی پانی ہو گیا، میں شرمندہ ہو گیا۔ انفعال: شرمندگی۔

وہ زار و قطار رویا (اور کہنے لگا) کہ اے رب ذی شان میں تو شرمندگی کے باعث پانی پانی ہو گیا۔

بر دلِ اندوہ گزینم ببخش
جرمِ سہ تن را بہ یقینم ببخش

گزینم: (از مصدر گزیدن: (بضم گاف) اختیار کرنا، اپنانا، چننا)۔ دل اندوہ گزینم: میرا وہ دل جس نے غم اختیار کر رکھا ہے۔ ببخش: فعل امر (از مصدر بخشیدن: معاف کرنا، عطا کرنا، چشم پوشی کرنا) معاف کر دے، در گذر کر۔ سہ تن: تین فرد۔ بہ یقینم: اس یقین و ایمان پر جو مجھے ہے۔

درویش نے دعا کی خداوند تعالیٰ میں اپنے درد و غم سے لبریز دل کا تجھے واسطہ دیتا ہوں کہ تو ان تینوں پر رحم کر۔

خستہ دلاں اند تو مرہم فرست
دولت و راحت زپے ہم فرست

خستہ: مجروح، زخم خوردہ، آزردہ۔ خستہ دلاں: جمع خستہ دل آزردہ دل، دل شکستہ۔ خستہ دلاں اند: (یہ) آزردہ دل ہیں۔ فرست (از مصدر فرستادن۔ بھیجنا) بھیج، روانہ کر۔ دولت: ثروت، مال۔ راحت: آرام، اطمینان۔ زپیہم: از پیہم کا مخفف۔ مسلسل، لگاتار۔

یہ آزردہ دل ہیں تو ان کے لیے مرہم بھیج۔ (انھیں) ثروت و دولت اور آرام و اطمینان مسلسل عنایت فرما۔

ہاتفے از خلوتِ اسرارِ فیض
گفت کہ اے جلوہ طلبگارِ فیض

ہاتف: صدا دینے والا، ایسا صدا دینے والا جو خود نظر نہ آئے۔ خلوت: تنہائی۔ اسرار: جمع سر: راز۔ خلوت اسرار: رازوں سے لبریز تنہائی کی جگہ۔ فیض: فراواں، بخشش۔ جلوہ: نمود و نمایش، منہ دکھائی۔ طلبگار: مانگنے والا، تقاضا کرنے والا۔

غیب کی آواز نے بخشایش کے رموز کی خلوتگاہ سے کہا کہ اے بخشش و بخشایش کے طلب گار۔

درس حقیقت بہ تو فرمودہ ایم
اختر ایناں بہ تو بنمودہ ایم

حقیقت کی تعلیم ہم نے تجھے (ارشاد) فرمادی ہے۔ (اور) ان (کی تقدیر) کا ستارہ ہم نے تجھے دکھادیا ہے۔

قسمتِ شاں از کرمِ ما ہمیں ست
سابقۂ روز ازل ایں چنیں ست

سابقہ: مؤنث سابق: گذشتہ، جو عہد ماضی میں مقرر کیا جا چکا۔ ازل: وہ زمانہ جس کی کوئی ابتدا نہ ہو۔ ایں چنیں است: ایسا ہی ہے۔

ہماری جود و سخا میں سے اس کا حصہ اتنا ہی ہے۔ روز ازل جو (ہماری قلم سے) گذر گیا وہ بس یہی ہے۔

باش کہ شرحے ز تسلی دہیم
پرتوے از جلوۂ معنی دہیم

باش: (از مصدر رشدن) رہ، کہ، صبر کر۔ شرح: آشکار بیان، وسعت، کشائش۔ پر تو: روشنی، شعاع، وہ روشنی جو ایک چمکدار چیز سے نکلے۔ معنی: وجہ، باعث، سبب۔ جلوۂ معنی: وجہ کی رونمائی۔ جلوہ دہیم: (از مصدر رداون) رونمائی کریں، نمایاں کریں۔

(ذرا) صبر کر تاکہ ہم تجھے اطمینان سے (اس موضوع کی) تفصیل بتائیں۔ (اور) اس حقیقت کی رونمائی ہم تجھ پر روشن (واضح) کریں۔

درخمِ محرابِ فریب آرزو
با سہ تن ایں مژدۂ دلکش بگو

خم: کجی، قوسی شکل۔ محراب، حرب: (جنگ) کرنے کی جگہ، جب خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مسلمان کعبہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں تو سمت قبلہ متعین کرنے کے لیے خنجر یا نیزہ زمین میں نصب کر دیا جاتا تھا۔ اصطلاحی معنی: وہ قوسی یا نیم دایرہ شکل جو مسجد میں قبلہ رخ تعمیر کی جائے۔ محراب فریب آرزو: وہ محراب جس میں انسان اپنی تمناؤں کو فریفتہ یا اپنی مرادوں کی بر آری کے لیے عاجزانہ دعائیں کرتا ہے۔

فریبِ آرزو کی محراب میں بیٹھ کر ان تینوں افراد کو یہ خوش خبری دیدے۔

کز اثرِ عاجزیم درجناب
شد سہ تمنائے شما مستجاب

عاجزیم: عاجزی من: میری انکساری، میری زبوں حالی۔ جناب: درگاہ، آستانہ۔ مستجاب: جس کا جواب دیا گیا ہو، وہ عاجو قبول ہو گئی ہو۔

میری انکساری کے باعث بارگاہ (خداوندی) میں تمھاری تین تمنائیں قبول ہو گئی ہیں۔

ہر یکے از شوق نوائے زند
دست بہ داماں دعائے زند

نوا زدن: پکارنا۔ نوائے زند: (از مصدر زدن) ایک صدا لگائے، ایک آواز دے، ایک فریاد کرے۔
دست بہ داماں زدن: کسی شخص کے کرتے کا دامن پکڑ کر التجا کرنا، قدموں میں دستار رکھنا، عاجزی کرنا، انکساری سے دعا کرنا۔

(تم میں سے) ہر شخص انتہائی رغبت و آرزو مندی سے فریاد کرے۔ اور کسی ایک دعا کی بر آری کے لیے عاجزی و انکساری کا سہارا لے۔

باز سرو کارِ دعا ہا ببین
چشم بخواباں و تماشا ببین

سرو کار: اثر۔ دعاہا: جمع دعا۔ ببین: فعل امر (از مصدر دیدن) دیکھ۔ چشم بخواباں: آنکھ بند کر۔

پھر دیکھ کہ دعائیں کیا کام کرتی ہیں (اپنی) آنکھیں بند کر اور تماشا دیکھ۔

پیر برآورد سر از جیبِ ناز
گشت بہ دلداریِ شاں نکتہ ساز

نکتہ ساز: اسرار و رموز کی باتیں بیان کرنے والا۔

پیر نے سرِ ناز کے گریبان سے نکالا۔ (اور) ان کی دلداری کے لیے اس طرح اس نے نکتے کرنے شروع کیے۔

مژدۂ صبحِ طرب آورد و گفت
رنگِ تبسم بہ لب آورد و گفت

صبحِ طرب: آغاز نشاط و شادمانی۔

اس نے مسرت و شادمانی کی صبح (آغاز) کا حسین پیغام دیا۔ (اور) لبوں پر رنگ تبسم لاتے ہوئے اس نے کہا۔

رحمتِ حق آئینہ دارِ شماست
وقتِ پذیرفتنِ یک یک دعاست

آئینہ دار: وہ شخص جس کے پاس آئینہ ہو۔ وہ شخص جو دلہن کا چہرہ آئینے میں دکھائے، مشاطہ۔ پذیر فتن قبول کرنا۔

رحمت حق تمھاری آرزو کا چہرہ نمایاں کرنے کے لیے آمادہ ہے۔ اور یہ وہ وقت ہے کہ تمھاری ایک ایک دعا قبول ہو۔

از غمِ گردوں بہ پناہید تاں
ہرچہ بخواہید بخواہید تاں

گردوں: آسمان۔ بہ پناہید: بہ پناہ ہستید: پناہ میں ہو۔ بخواہید: (از مصدر خواستن: چاہنا) تم چاہو، تم آرزو کرو، مانگو۔

آسمان کے غم و اندوہ سے تم محفوظ ہو۔ (اور اب) جو کچھ بھی چاہو وہ تم مانگو۔

قامتِ خم گشتۂ آں پیرزن
راست شد از بہر دعا خواستن

قامت خم گشتہ: (از مصدر گشتن: ہونا) جھکا ہوا قد۔ پیرزن: بوڑھی عورت۔ دعا خواستن دعا مانگنا۔

اس بوڑھی عورت کا خمیدہ قد دعا مانگنے کی خاطر سیدھا ہو گیا۔

گفت کہ اے کارروائے ہمہ
سوئے درت روئے دعائے ہمہ

کار روا: (از مصدر رفتن) کام کو رواں کرنے والا، کام کو جاری کرنے والا، کارساز۔ سوئے درت: تیرے در کی جانب۔

اس نے کہا کہ اے سب کے کاموں کو روا کرنے والے، تیرے ہی دروازے کی جانب سب ہی کی دعاؤں کا رخ ہے۔

شوہر من طالب مال است و بس
دولت دنیا ست مر اورا ہوس

طالب: طلب کرنے والا، خواہشمند۔ مر: یہ لفظ فارسی میں تاکید واختصاص کے لیے بھی آتا ہے۔

میرا شوہر تو بس مال کا ہی خواہش مند ہے بالخصوص دنیا کی جاہ و دولت ہی اس کی آرزو رہی ہے۔

تیر دعا یش چو رسد برہدف
سازِ دو عالم ہوس آرد بہ کف

رسد: (از مصدر رسیدن: پہنچنا) پہنچے گا۔ ساز: سامان۔ سار دو عالم ہوس: دو دنیاؤں کا سامان عیش وطرب۔ آرد: (از مصدر آوردن) حاصل کرے گا۔

اس کی دعا کا تیر جب نشانے پر بیٹھ جائے گا تو وہ دو دنیاؤں کا سامان عیش وطرب حاصل کرے گا۔

با دِگراں ساغرِ عشرت زند
بامنِ ژولیدہ بہ نفرت زند

بادِ گراں: بادیگراں: دوسرے کے ساتھ۔ ساغر زند: (از مصدر زدن) جام شراب نوش کرے گا۔ ژولیدہ: آشفتہ اور درہم برہم۔ بہ نفرت زند: نفرت کرے گا، نفرت سے پیش آئے گا۔

دوسروں کے ساتھ وہ ساغر عیش وطرب نوش کرے گا۔ اور آشفتہ و پریشان حال (بوڑھی کھوسٹ) کے ساتھ نفرت سے پیش آئے گا۔

پس زتو خواہم کہ جوانم کنی
رونق خوبانِ جہانم کنی

پس: بس، اس بنا پر۔ رونق: زیبائی اور خشانی۔ خوباں: جمع خوب: حسین اور دل کش۔

اس بنا پر میں تجھ سے چاہتی ہوں کہ مجھے جوان کر دے۔ دنیا میں جتنی بھی حسین (خوبصورت عورتیں) ہیں ان میں تو مجھے نمایاں زیبائی عطا کر۔

چوں سرش از سجدۂ حق راست شد
دید بداں ساں کہ ہمی خواست، شد

بداں ساں: اسی طرح۔ ہمی خواست: ہمیشہ چاہتا تھا، ہمیشہ آرزو کرتا تھا۔

جب اس نے اپنا سر سجدۂ حق سے اٹھایا اور قیام کیا تو اس نے دیکھا کہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ وہ ہمیشہ چاہتی تھی۔

شوہرش از وجد بہ رقص اوفتاد
دیدہ بہ گل چینی رویش کشاد

وجد: بے خودی کی حالت۔ بہ رقص اوفتاد: بہ رقص افتاد: ناچنے لگا۔ دیدہ کشاد: (از مصدر کشادن) اس نے آنکھ کھولی۔ گل چینی: (از مصدر چیدن: چننا) پھولوں کی شاخ سے چننا۔

اس کے شوہر نے بے خود ہو کر ناچنا شروع کر دیا، اور اس نے اپنی آنکھیں اس کے چہرے سے پھول چننے کے لیے کھول دیں۔

یافت پری در برو دیوانہ گشت
با زن و فرزند سوے خانہ گشت

یافت پری: اس نے پری کو پایا۔ بر: بغل، آغوش۔ دیوانہ گشت: (از مصدر گشتن) دیوانہ ہو گیا۔ سوے خانہ گشت: گھر کی طرف لوٹا، گھر کی جانب روانہ ہوا۔

اس نے اپنے پہلو میں پری کو پایا اور (اس کا) دیوانہ ہو گیا۔ (چناں چہ) اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ وہ گھر کی طرف روانہ ہوا۔

خواست بہ کاشانہ در آید بہ ناز
تادرِ آں خانہ کشاید بہ ناز

کاشانہ: چھوٹا سا گھر۔ در آید: (از مصدر آمدن) داخل ہو۔ ناز: فخر، عزت، بزرگواری۔

اس نے چاہا کہ وہ اپنے چھوٹے سے گھر میں فخر سے داخل ہو۔ تاکہ وہ اپنے ہی گھر کے دروازے کو عزت وشان کے ساتھ کھول سکے۔

در حقِ ویرانہ دعائے کند
دعوتِ برگے و نوائے کند

ویرانہ: غیر آباد، اجاڑ۔ دعوت: خواہش، طلب۔ برگ: سازوسامان۔ نوا: نغمہ وسرود۔

اس غیر آباد (گھر) کے لیے دعا کرے (تاکہ) کچھ سازوسامان اور نغمہ وسرود کے اسباب مہیا کرے۔

حال وے از مال دگر گوں شود
گنج بیندوزد و قاروں شود

دگر گون: تبدیل شدہ، دوسری طرح۔ بیندوزد: (از مصدر اندوختن: جمع کرنا، ذخیرہ کرنا) جمع کرے، ذخیرہ کرے۔

اس کی حالت مال کے ذریعے تبدیل ہو جائے۔ وہ خزانہ جمع کرے اور قارون بن جائے۔

کرد جواں نیز تمنائے خویش
منحصر مسکن و ماوائے خویش

مسکن: رہنے کی جگہ، گھر۔ ماوای: ماوا، پناہ گاہ، ٹھکانہ۔

(ضعیف آدمی کے) جوان بیٹے نے بھی آرزو کی جس کا تعلق وانحصار مکان وپناہ گاہ سے تھا۔

ہمچو پدر محوِ زر او بود نیز
تشنۂ لعل و گہر او بود نیز

محو: زائل، گم، مٹا ہوا۔

باپ کی طرح وہ بھی مال وزر میں کھویا ہوا تھا۔ وہ بھی مشتاق وخواہش مند تھا۔

می بچمیدند به ذوقِ وطن
ہمچو نسیمِ سحری در چمن

چمیدند: خوشی، نشاط۔ نسیم: بادِ لطیف۔ نسیم سحری: وہ بادِ لطیف (خوش گوار ہوا) جو صبح کے نزدیک چلے۔ چمن: سبزہ زار۔

وہ ناز سے وطن کی جانب اسی طرح مسرور چلے جا رہے تھے جیسے نسیم سحری سبزہ زار میں چلتی ہے۔

ماند چو کا شانہ بہ فرسنگکے
داد بروں ساز غم آہنگکے

فرسنگ: تین میل کا فاصلہ۔ فرسنگک: فرسنگ کی تصغیر۔ آہنگ: نوا، لحن۔ آہنگک: دھیمی سی آواز۔

جب گھر ایک فرسنگ سے بھی کم (فاصلہ پر) رہ گیا تو سازِ غم نے دھیمے سروں میں آواز نکالی۔

ناگہ از آں بادیہ گردے بجست
برسر اقبال ہوس ہا نشست

ناگہ: مخفف ناگاہ: اچانک۔ بادیہ: صحرا، بیابان۔ گردے بجست: (از مصدر جستن) بگولا لپکا، بگولا اچھلا۔ اقبال: طالع، بخت۔ ہوس: حرص، آز، لالچ۔

اچانک اس صحرا میں غبار کی لہر اٹھی (اور) ان کی خوش بختی پر لالچ کی گرد بیٹھ گئی۔

از دلِ آں گرد سوارے دمید
نے غلطم آئنہ زارے دمید

دمید: (از مصدر دمیدن: نمایاں ہونا) نمایاں ہوا، نمودار ہوا۔ نے: نہیں۔ غلطم: میں غلط ہوں، میں غلطی پر ہوں۔ آئنہ زار: وہ جگہ جہاں کثرت سے آئینے ہوں۔ شیش محل۔

اس گرد و غبار کے بیچ سے ایک سوار اور نمودار ہوا۔ نہیں مجھ سے سہو ہوا (ملک) سر تا پا آئینہ نمایاں ہوا۔

جلوہ گر از آئنہ شہزادہ اے
دور از فوج و سپہ افتادہ اے

جلوہ گر: آشکار ہونے والا، خود کو آشکار کرنے والا۔ سپہ: مخفف سپاہ لشکر۔ دور افتادہ اے: بچھڑا ہوا۔

اس آئینے میں سے ایک شہزادہ نمودار ہوا۔ (جو) اپنی فوج اور لشکر سے دور ہو گیا تھا۔

شد نگہش با زنِ دہقاں دو چار
گشت دل از ناوکِ نازش فگار

نگہش: نگاہش۔ نگاہ اور اس کی نظر۔ دو چار: دُچار: آمنے سامنے۔ ناوک: تیر۔ فگار: زخمی۔

اس کی نظریں کسان کی بیوی (کی نگاہوں) سے جا ٹکرائیں (اور) اس کا دل اس کی ادا کے تیر سے مجروح ہو کر رہ گیا۔

در خمِ دامن چو بیفشرد تنگ
آں زنِ بیچارہ بگرداند رنگ

خم دامش: خم دام او: اس کے جال کا چکر۔ بیفشرد: (از مصدر فشردن / افشردن۔ بھینچنا، نچوڑنا، دباؤ ڈالنا) اس نے دبایا، اس نے جکڑ لیا۔ بیچارہ: مسکین، لاچار۔

جب اس کے جال کے حلقوں نے اس کو اپنے میں خوب جکڑ لیا تو (اب) اس مسکین عورت نے بھی اپنا رنگ بدلا۔

کرد دل و جاں بہ ہوایش اسیر
رفت ز دل مہرِ کشاورزِ پیر

ہوایش: ہوائے او، آرزوئے او: اس کی تمنا میں، اس کی محبت میں۔ رفت ز دل: از دل رفت: دل سے دور ہو گئی۔

اس نے اپنے جان و دل کو اس کی آرزو میں مقید کر لیا۔ (اور اب) ضعیف کسان کی محبت اس کے دل سے کافور ہو گئی۔

گفت : خوشا خوبیِ جاه و جلال
شوہر اگر مال برد کو جمال

خوشا! : کیا شاد و خرم۔ خوبی: تو خوب ہے۔ خوشا بی! : تو کیا عمدہ و خوب ہے، تیرا کیا حسن و جمال ہے۔

اس نے کہا کہ کیا تیرا حسن و جمال ہے اور کیا تیرا جاہ و جلال ہے۔ (اگرچہ) میرا شوہر مال و متاع کے لیے جا رہا ہے مگر اس کے پاس خوب صورتی کہاں!

پشتِ ہوسہائے نہاں گرم کرد
جاے به آغوشِ جواں گرم کرد

پشت گرم کردن: تکیہ کرنا، بھروسہ کرنا۔ ہوس ہائے نہاں: چھپی ہوئی آرزوئیں، پوشیدہ ارمان۔ جا گرم کردن: کسی جگہ دیر تک بیٹھنا، اطمینان سے بیٹھنا۔

اس نے اپنی چھپی ہوئی آرزوؤں کو شہ دی (اور) جوان کی آغوش میں اس نے اپنی جگہ گرم کی۔

ناله بر آورد که اے نوجواں
داد ز بے مہریِ ایں رہزناں

ناله بر آوردن: گریہ وزاری کرنا، واویلا کرنا۔ داد: فریاد، دہائی۔ بے مہری: بے وفائی، بے مروتی۔

اس نے آہ وزاری کی (اور کہا کہ اے نوجوان۔ ان راہزنوں کی بے وفائی پر دہائی ہے۔

زیور و پیرایۂ من برده اند
بے خودم از قافله آورده اند

زیور: زینت، آرائش، ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری کو آراستہ کریں۔ پیرایہ: زینت، زیبائش۔ برده اند: (از مصدر بردن) وہ لے گئے۔ بے خود: بے اختیار۔ آورده اند: (از مصدر آوردن) وہ لے کر آئے ہیں۔

میری زینت وزیبائش انھوں نے مجھ سے چھین لی ہے۔ اور مجھے میری مرضی کے بغیر قافلے سے نکال لائے ہیں۔

زین غم و دردم به درِ دل رساں
ہمرہِ خود گیر و به منزل رساں

مجھے میرے اس درد و غم سے دل کے آستانے پر پہنچا۔ (مجھے) اپنے ساتھ لے اور منزل پر مجھے پہنچا۔

برد جوانش به کمر گاه دست
داد پسِ خود به تگا ور نشست

کمر گاہ۔ پٹکا باندھنے کی جگہ۔ تگاور تیز رفتار گھوڑا۔

اس جوان نے اس کی کمر گاہ پر ہاتھ بڑھایا اس کے بعد اس نے اپنے پیچھے اسپ (گھوڑا) تیز رفتار پر جگہ دی۔

برد و رواں گشت رواں ہمچو باد
گردِ رہش برسرِ دہقاں فتاد

اس نے اسے ساتھ لیا اور ہوا کی طرح روانہ ہو گیا۔ اس کے راستے کی خاک کسان کے سر پڑی۔

ماند به حسرت نگرانش که چه
سر به فلك سود فغانش که چه

نگراں: (از مصدر نگریستن: دیکھنا) سر به فلك سود: (از مصدر سودن: گھسنا، پیسنا، رگڑنا)۔

وہ حسرت سے ایسا دیکھتا رہ گیا کہ بس کیا کہا (جائے) اس کی آہ و فغان آسمان کو ایسی چھو رہی تھیں کہ بس کیا کہا (جائے)۔

زار بنالید به پیشِ خدا
گفت : که ای صانع ارض و سما

بنالید: (از مصدر نالیدن: رونا) صانع: خالق، آفریدگار۔ ارض: زمین۔ سما: آسمان۔

وہ خدا کے حضور میں زار و قطار رو رہا تھا اور کہتا تھا کہ اے زمین و آسمان کے خالق۔

روزِ من از جوشِ بلا تیرہ شد
چشمِ من از تاب جفا خیرہ شد

جوش بلا: مصائب کی کثرت۔ تیرہ شد: سیاہ ہو گیا۔ تاب: روشنی و گرمی۔ تاب جفا: جفا کی تابش و گرمی۔ خیرہ شد: حیران رہ گئی، چندھیا گئی۔

میرے دن پر بلاؤں کی یورش سے سیاہی چھا گئی۔ میری آنکھیں جفا کی گرمی و تابانی سے خیرہ ہو گئی ہیں۔

بخت دریں مرحلہ باسن چہ کرد
نالہ گواہ است کہ ایں زن چہ کرد

مرحلہ: مقام، منزل۔ گواہ: شاہد۔

نصیب نے اس مقام پر میرے ساتھ کیا (ظلم) کیا۔ میرا شیون و نالہ اس امر کا شاہد ہے کہ اس عورت نے کیا (ستم) کیا۔

سازِ تلافیِ سلوکش بساز
مسخ کن و مادۂ خوکش بساز

ساز: آلہ موسیقی۔ سلوکش: سلوک او: اس کا رویہ، اس کی رفتار۔ بساز: فعل امر (از مصدر ساختن) آمادہ کر، مہیا کر۔ مسخ کن: فعل امر (از مصدر کردن: کرنا) مسخ کر، صورت بگاڑ دے۔ خوک: سور، خنزیر۔

اس کے سلوک کی تلافی کا سامان مہیا فرما۔ اس کی صورت بگاڑ دے اور اس کو مادہ سور بنا دے۔

در خمِ پوزش بہ ادائے سجود
بود لبش محو دعائے کہ بود

پوزش: عاجزی، انکساری، عذر خواہی، معافی۔

سجدے ادا کرتے ہوئے جب کہ وہ توبہ و استغفار کے لیے جھکا ہوا تھا۔ اس کے لب اس دعا میں محو تھے جو وہ (اس وقت) کر رہا تھا۔

کاں زنے بد طینت و پیماں شکن
دید سیاہ آئنۂ خویشتن

کاں زنے: کہ آن زنے: زنے بد طینت پست عورت، حقیر عورت۔ بد طینت ب. بد خصلت۔
پیمان شکن: وعدہ فراموش، بد قول۔

کہ اس ذلیل پست فطرت وعہد فراموش عورت نے اپنا سیاہ آئینہ دیکھا۔

خوك شد و بدنفسی ساز کرد
باسر و رو عربده آغاز کرد

بد نفسی: بد طینتی، شہوت پرستی۔ سار کرد: مہیا کی، آمادہ کی۔

وہ (عورت) خنزیر ہو گئی اور بد خصلتی (شہوت پرستی) پر اتر آئی۔ اس نے اپنے سر اور چہرے سے تند خوئی شروع کر دی۔

دید جواں کایں چه بلاشد، چه شد
آہوکے خوك نما شد، چه شد؟

آہوک: پہلوی زبان کا لفظ ہے۔ فارسی میں اسے "آہو" (ہرن) کو کہتے ہیں۔ خوك نما: خنزیر کی شکل کا۔

اس جوان نے دیکھا کہ یہ کیا بلا نازل ہوئی (اور یہ) کیا ہو گیا۔ وہ ہرنی کیسے خنزیر کی شکل کی ہو گئی۔ (آخر) یہ کیا ہوا؟

از دل شہزادہ برآمد غریو
زار بترسید ز آسیبِ دیو

غریو: آہ و فغان، گریہ وزاری۔ زار: نالہ و فغان۔ زار بتر سید: ایسا خوفزدہ ہوا کہ سسک سسک کر رونے لگا۔

شہزادے کے دل سے زبردست چیخ نکلی (چناں چہ) وہ ایسا خوفزدہ ہوا کہ آسیب دیو کی وجہ سے وہ سسک سسک کر رونے لگا۔

راست ز اسپش بہ زمیں برفگند
بر سر خاك از سرِ زیں برفگند

اس نے سیدھا ہی اپنے گھوڑے سے اسے زمین پر گرادیا۔ (اور) زین پر سے اس نے خاک پر اسے پھینک دیا۔

گشت ہر اساں و عناں در گسیخت
آبِ رخِ برق بہ جولاں بریخت

ہراساں: خوفزدہ، سہاہوا۔ عناں در گسیخت: باگ توڑ ڈالی، لگام توڑ کر بھاگا۔ آب بریخت (از مصدر ریختن) پانی چھڑکا۔ آبِ رخِ برق: بجلی کی چمک۔ جولاں: حرکت، تگ و تاز۔

وہ سہم گیا اور لگام تڑا کر سرپٹ دوڑا۔ اس نے بجلی کی چمک کی پانی (سرعت) اپنی تگ و تاز (تگ و دو) پر چھڑکا۔

واں زن فرتوت جواں گشتہ اے
در قفس خوك نہاں گشتہ اے

فرتوت: بوڑھی کھوسٹ۔ جوان گشتہ اے: (از مصدر گشتن: ہو جانا) جوان بنا ہوا، جوان میں تبدیل شدہ۔

اور وہ بوڑھی کھوسٹ عورت جو جوان ہو گئی تھی (اور) اس نے خود کو خنزیر کے پنجر (بھیس) میں چھپالیا تھا۔

جانب شوے و پسر خود دوید
لا بہ کناں در قدم شاں تپید

شوے: شوہر، خاوند۔ لابہ کناں: عاجزو انکساری کرتے ہوئے، منت و خوشامد کرتے ہوئے۔ در قدم شاں: ان کے قدموں میں۔ تپید: (از مصدر تپیدن: لوٹنا، تڑپنا)

وہ اپنے شوہر اور بیٹے کی طرف دوڑی، عاجزی وانکساری سے ان کی خوشامد کرتے ہوئے وہ ان کے قدموں میں لوٹ رہی تھی۔

تاپسرش را بہم آمد دروں
گرد زبے تابیِ خاطر جنوں

بہم: محزون غمگین۔ بہم آمد غمگین ہوا، اندوہگین ہوا۔

یہاں تک کہ اس کے بیٹے کی حالت اندر ہی اندر غیر ہونے لگی۔ چناں چہ) دل کی بے تابی کے باعث وہ دیوانوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔

مادرِ خود را بہ چناں حال یافت
چارہ سگالید و بہ زاری شتافت

چارہ سگالید (از مصدر سگالیدن سوچنا، غور کرنا) مسئلے کے حل پر غور کیا۔ شتافت (از مصدر شتافتن۔ دوڑنا) دوڑا، بھاگا۔

اپنی ماں کو جب اس نے اس حالت میں پایا تو اس نے اس کا حل سوچا۔ اور گریہ وزاری کی طرف لپکا۔

کرد دعا صرفِ مدد گاریش
زار بنالید بہ غم خواریش

اس نے اپنی (ہر) دعا اس کی اعانت ومددگاری کے لیے وقف کردی (اور) اس کی ہمدردی میں وہ زاروقطار روتا رہا۔

کاے اثر ایجادِ نفس ہائے ما
گر تو نہ بینی سوے ماوائے ما

اثر ایجاد: اثر پیدا کرنے والا۔ ماوا: پناہ گاہ، جائے پناہ۔

کہ اے (خداوند تعالیٰ) ہماری سانسوں میں سوزو گداز پیدا کرنے والے اگر تو ہماری پناہ گاہ کی جانب نظر نہیں کرے گا۔

دوسرے مصرعے کو: "گر تو نہ بینی سوئے ما' وائے ما" بھی پڑھا جا سکتا ہے اس طرح پہلے مصرع کے 'نفس ہائے ما' کا 'ہائے' اور دوسرے مصرعے کے 'وائے' کے درمیان خوب صورت تلازمہ بھی قائم ہوتا ہے اور مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر تو ہمارے حال کی خبر نہ لے تو پھر ہم پر افسوس ہے۔

رحمتِ خاصے به سرِ ما فرست
مژدهٔ آرامشِ جہاں ہا فرست

ہمارے سروں پر تو اپنی خاص رحمت بھیج۔ (اور) ہمیں وہ خوش خبری دے جس سے ہماری جانوں کو سکون و قرار میسر آئے۔

ایں زنِ پیر آئنهٔ عبرت است
ننگِ تخیل کدهٔ صورت است

عبرت پند، نصیحت۔ آئنۂ عبرت ایسی ذات یا چیز جس سے آدمی کوئی پند و نصیحت حاصل کرے۔
ننگ: شرم، عار۔ تخیل: تصور، گمان۔ تخیل کدہ خانۂ تصور، خانہ فکر و خیال۔

یہ بوڑھی عورت دوسروں کے لیے باعث پند و نصیحت ہے۔ چہرہ و پیکر کے تصور خانے میں اس کا وجود ننگ و عار ہے۔

حسن و جمالش ہمه برباد رفت
صورتِ اصلیش ہم از یاد رفت

جمالش: اس کی رعنائی، اس کی زیبائی۔ بربا درفت: (از مصدر مرکب: برباد رفتن: فضا میں بکھر جانا، ہوا میں اڑ جانا) تلف ہو گیا، تباہ ہو گیا۔ ار یاد درفت: (از مصدر مرکب: از یاد رفتن. بھول جانا۔ فراموش ہو جانا) یاد سے محو ہو گئی۔

اس کا تمام حسن و جمال تباہ ہو گیا۔ اس کی اصل صورت بھی یاد سے محو ہو گئی۔

باز نه خواہم که بداں ساں کنش
صورتِ اصلی ده و انساں کنش

باز نہ خواہم: میں دوبارہ یہ نہیں چاہتا۔ بداں ساں: ویسا ہی۔ بداں ساں کنش: تو ویسا ہی کردے۔

میں نہیں چاہتا کہ تو اسے دوبارہ ویسا ہی (جانور) کردے۔ تو اسے اصل شکل و صورت دے اور (پھر) انسان بنادے۔

نالہ ز توفیقِ اثر بہرہ برد
نقدِ تمنا بہ کفش در سپرد

توفیق: مدد، مددگاری۔ بہرہ برد: (از مصدر بردن) فایدہ اٹھایا، سودمند ہوا۔ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔
نقد تمنا: آرزو کا کھرا سکہ، پونجی، سرمایہ۔ کفش: کف او: اس کا کف دست۔

اس کی گریہ وزاری نے اثر کی مدد سے کامیابی حاصل کی اور آرزو کی پونجی اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

کسوتِ آں خوک قبا گشتہ دید
پیکرے از پوست جدا گشتہ دید

کسوت: (بروزن ثروت) لباس، پوشاک۔ قبا گشتہ: (از مصدر گشتن) قبا بنتی ہوئی۔

اس خنزیر کے لباس کو اس نے قبا بنتے ہوئے دیکھا (اور) ایک جسم کو کھال سے علاحدہ ہوتے ہوئے پایا۔

پیرزنے پشت خم استادہ یافت
حرف و سخن را چو خود آمادہ یافت

پیرزنے: ایک ضعیف عورت۔ پشت خم: خمیدہ کمر، کبڑی۔ حرف و سخن: گفتگو، بات چیت۔

ایک ضعیف خمیدہ کمر عورت کو اس نے وہاں کھڑے پایا (اور) اسے اپنی ہی طرح گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔

چشم بما لید مژہ برشکست
باورش آمد کہ ہماں مامک است

چشم بمالید: (از مصدر مالیدن: ملنا) اس نے اپنی آنکھیں ملیں۔ مژہ برشکست: (از مصدر بر شکستن: جھپکانا) پلکیں جھپکائیں۔ باورش آمد: اسے یقین آگیا۔ مامک: پیاری ماں۔

اس نے اپنی آنکھیں ملیں اور پلکیں جھپکائیں۔ (اور) اسے یقین آگیا کہ یہ وہی اس کی پیاری ماں ہے۔

روئے ہماں، موے سفیدش ہماں
چشم ہماں، قوتِ دیدش ہماں

موے سفیدش: اس کے سفید بال۔ قوت دیدش: اس کی طاقت بینائی۔

وہی چہرہ، وہی اس کے سفید بال۔ وہی آنکھیں (اور) وہی اس کی طاقت بینائی۔

پشتِ خم و ربطِ عصایش ہماں
و آں لب و دندان و صدایش ہماں

پشت خم: کمر کا جھکاؤ۔ ربط: تعلق، پیوستگی، وابستگی۔ عصایش: عصائے او: اس کا عصا، اس کی لاٹھی۔ صدایش: صدائے او: اس کی آواز۔

وہی اس کی کمر کا کبڑا پن، وہی لاٹھی کے ساتھ اس کی وابستگی۔ وہی ہونٹ، وہی دانت اور وہی اس کی آواز۔

آئنہ از زنگِ وساوس زدود
شکر بہ درگاہ الٰہی نمود

وساوس: جمع وسواس: بدگمانی۔ زدود: (از مصدر زدودن: زنگ صاف کرنا، جلا دینا)۔

اس نے (اپنے دل کے) آئینے پر سے شکوک و بدگمانیوں کا زنگ صاف کیا۔ اور بارگاہ خداوندی میں شکر بجالایا۔

غالبؔ اگر محرمِ معنی شوی
آئنہ پردازِ تسلی شوی

محرم: رازدان، رازدار۔ آئینہ پرداز: آئینہ افروز، آئینے کو جلا دینے والا۔

غالب اگر تو ان معنی کے راز کو جان لے تو تیری تسلی کے آئینے کو اس سے جلا ملے گی۔

تا نہ بود یاریِ بختِ بلند
چارۂ عیسی نہ فتد سود مند

یاری: مدد۔ بخت بلند: اقبال مندی، بلند نصیبہ ور۔ نہ فتد: واقع نہ ہوگی۔ سود مند: منفعت بخش۔ فایدہ مند۔

جب تک اقبال مندی کی مدد شامل نہ ہو تو حضرت عیسی کی چارہ گری بھی سود مند ثابت نہ ہوگی۔

طالع آں بے سروپایاں نگر
دستِ گہ عقدہ کشایاں نگر

طالع: مقدر، نصیب، بخت۔ بے سروپایاں: جمع بے سروپا: بے ساز و سامان، مفلس ولاچار۔ نگر: از مصدر نگریستن: غور سے دیکھنا) دیکھ۔ دستگہ: مخفف دستگاہ: استعداد، لیاقت۔ عقدہ کشایاں: جمع عقدہ کشا: مشکلات کی گرہ کھولنے والا، مشکل حل کرنے والا۔

ان عاجز ولاچار (لوگوں) کا مقدر دیکھ۔ اور مشکلات کا حل تلاش کرنے والوں کی استعداد پر غور کر۔

شد سہ دعا باہمہ لطفِ اثر
صرفِ علاجِ سہ بلای دگر

لفظ اثر: اثر کی مہربانی۔ صرف: خرچ۔ وہ تین دعائیں اثر کی تمام مہربانی کے ساتھ تین دوسری بلاؤں کے سدباب میں صرف ہو گئیں۔

حاصلِ شاں زاں تگ و تازِ ہوس
رفتنے و آمدنے بود و بس

زاں: از آن: اس سے۔ تگ و تاز: بود و باش۔ رفتنے: جانے کے قابل۔ آمدنے: آنے کے قابل۔ رفتنے و آمدنے: آنا جانا تھا دوڑ دھوپ کرتا تھا۔

ہوا و ہوس کے باعث جوان کی تگ و دو تھی اس کا نتیجہ ان کا محض دوڑ دھوپ کرنا تھا، بس (اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں)۔

بخت چو پوید رہِ مکر و فریب
کیست کہ از اوج نیفتد بہ شیب

پوید: (از مصدر پوئیدن: دوڑنا، بھاگنا) راستہ چلتا ہے۔ نیفتد: (از مصدر افتادن: گرنا، پڑنا) نہ گرے۔

نصیب جب مکر و فریب کی راہ چلے تو (بھلا ایسا) کون ہو سکتا ہے جو انتہائی بلندی سے پستی کی طرف نہ جا گرے۔

عالمِ تقدیر چنیں است و بس
حاصلِ تحریرِ من این است و بس

تقدیر کا عالم بس ایسا ہی ہے۔ میری تحریر کا حاصل بھی بس ایسا ہی ہے۔

☆

بادِ مخالف

ای سخن پروانِ کلکتہ
وے زباں آورانِ کلکتہ

سخن پروان: جمع سخن پرور (از مصدر پروردن: پالنا، پوسنا) سخن کی پرورش کرنے والے، شاعر، ادیب۔
زباں آوران: جمع زبان آور (از مصدر آوردن: لانا) زبان پر بات لانے والے، خوش بیان، شیریں زبان۔

اے شہر کلکتہ کے سخن پرداز (شاعر و ادیب) لوگو! اے شہر (کلکتہ) کے شیریں مقال انسانو!

اسد اللہِ بخت برگشتہ
در خم و پیچ غیر سر گشتہ

اسد اللہ: (شیر خدا) میرزا غالب شاعر کا اصل نام۔ بخت برگشتہ: (از مصدر گشتن: گھومنا، چکر لگانا) سرگرداں، حیران و پریشاں۔

بے چارہ بد بخت اسد اللہ غیروں کے داؤ پیچ میں سرگرداں۔

به تظّلم رسیده است ایں جا
به امید آرمیده است ایں جا

تظّلم: (مصدر راز باب تفعّل) ظلم کی شکایت کرنا، داد و انصاف چاہنا، داد خواہی کرنا۔ رسیده است پہنچا ہے۔ آرمیده (از مصدر آرمیدن / آرامیدن: استراحت کرنا، آرام کرنا) آرمیده است آرام کر رہا ہے۔

یہاں وہ جور و ستم کی داد خواہی کے لیے پہنچا ہے (اور) کسی امید میں وہ یہاں قیام پذیر ہے۔

آرمیدن دہید روزے چار
خسته ایے را به سایهٔ دیوار

آرمیدن: استراحت کرنا۔ ارمیدن دہید: (از مصدر دادن) آرام کرنے دو، آرام لینے دو۔ خسته تھکا ماندہ۔ بیکس، لاچار۔

دیوار کے سایے میں ایک بیکس ولاچار شخص کو محض چار دن کے لیے آرام لینے دو۔

کارِ احباب ساختن رسم است
میہماں را نواختن رسم است

احباب: جمع حبیب: دوست۔ ساختن: بنانا، درست کرنا۔ نواختن: دل جوئی کرنا۔

دوستوں کے (بگڑے) کام بنا (دنیا کا) رواج ہے۔ مہمان کی دل جوئی کرنا بھی رسم ہے۔

آں ره و رسمِ کار سازی کو
شیوهٔ میہماں نوازی کو

کار سازی کا وہ طریقہ و رواج کیا ہوا۔ مہمان کی دل جوئی کا وہ طور و انداز کدھر گیا۔

چه بلا ہا کشیده ام آخر
که بدیں جار سیده ام آخر

بلا کشیدن: مصیبت برداشت کرنا۔ بدین جا: ایں جا: اس جگہ۔

سرانجام میں نے کیسی کیسی مصیبتیں برداشت کی ہیں جو بالآخر اس جگہ پہنچا ہوں۔

به سیه روزِ غُربتم بینید
تیره شبهاے وحشتم بینید

سیه روز: مخفف سیاہ روز: بد بختی کا دن۔ غربتم: غربت من: میری بے وطنی، میری وطن سے دوری۔ بینید: (از مصدر دیدن) دیکھو۔ تیره شب: سیاہ رات۔ وحشت: تنہائی، تنہائی سے خوف و پریشانی۔

میری بے وطنی کے سیاہ دنوں پر نظر کرو۔ میری تنہائی کی اندھیری راتوں پر نگاہ ڈالو۔

اندهِ دوریِ وطن نگرید
غمِ هجرانِ انجمن نگرید

اندہ: مخفف اندوہ: رنج و غم۔ نگرید: (از مصدر نگریستن: غور سے دیکھنا) غور سے دیکھو۔ ہجران: دوستوں سے جدائی۔ انجمن: مجمع، مجلس، دوستوں کی محفل۔

وطن سے دوری کے رنج و محن پر تو غور کرو (اور) دوستوں کی محفل سے (میری) جدائی پر تو (ذرا) نظر ڈالو۔

ذوقِ شعر و سخن کجاست مرا
کے زبانِ سخن سراست مرا

سخن سرا: (از مصدر سرائیدن: شعر کہنا، شعر گنگنانا) شعر گو، سخنور۔

شعر سخن کا جوش و ولولہ اب مجھ میں کہاں اب میری زبان کو شعر گوئی کا یارا کہاں۔

بامن ایں خشم و کیں دریغ دریغ
من چناں، تاں چنیں، دریغ دریغ

خشم: غصہ، قہر و غضب۔ کیں: عداوت، دشمنی، کینہ۔ دریغ: افسوس، اندوہ، پشیمانی۔ چنان: ایسا،

اسی طرح۔ تان: جمع تو: تم، آپ۔ چینن: ایسا، اسی طرح۔

واحسر تا! میرے ساتھ یہ غضب اور یہ عداوت۔ میں ویسا، تم سب ایسے، افسوس، (صد) افسوس!

بر غریباں کجا رواست ستم
رحم اگر نیست خود چراست ستم

پردیسیوں پر جور و ستم کب جائز ہے۔ اگر رحم نہیں تو پھر یہ ظلم کیوں؟

توضیح: میرزا غالبؔ "ابناء سبیل" کا ترجمہ "غریباں" کیا ہے۔ یعنی ایسے مسافر جو وطن میں تو تونگر تھے مگر سفر میں بالکل ہی مفلس و قلاش ہو کر رہ گئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ابن سبیل کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ، تم اگر میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر سکتے تو ظلم و ستم پر کیوں اتر آئے ہو۔

ور بگویند ماجرائے رفت
از تو در گفتگو خطائے رفت

ور: مخفف واگر۔ ماجری (ماجرا) حادثہ، اتفاق، واقعہ۔

اور اگر تم یہ کہو کہ (میری طرف سے) کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔ (یا) گفتگو میں کوئی لغزش ہوئی ہے۔

مہرباناں! خدائے را انصاف
تا نخست از کہ بود رسمِ خلاف

مہرباناں: جمع مہربان: دوست۔ نخست: پہلے۔ از کہ: کس سے، کس کی طرف سے۔ رسم: علامت نشانی۔ خلاف: مخالفت، ناسازگاری۔

اے دوستو! خدا کے لیے انصاف (کرو اور بتاؤ کہ) مخالفت کی بنا پہلے کس نے رکھی۔

زلفِ گفتار را کہ درہم کرد
بزمِ اشعار را کہ برہم کرد

درہم: منتشر، پریشان۔ برہم: درہم، آشفتہ، شوریدہ۔

(عروس) سخن کی زلف کو کس نے پریشان کیا؟ سخن سرائی کی محفل کو کس نے منتشر و پریشان کیا؟

"ہمہ عالم" غلط کہ گفت نخست
پارہ اے زیں نمط کہ گفت نخست

ہمہ عالم: (بغیر اضافت) ساری، تمام عالم۔ پارہ اے: کچھ، تھوڑا سا۔ نمط: روش، طریقہ، رویہ۔

"ہمہ عالم" کو غلط پہلے کس نے کہا؟۔ (اور) اس طریقے سے تھوڑی (بات) کی پہل کس نے کی؟

توضیح: شعر کے مفہوم سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کلکتے میں قیام کے دوران میرزا غالب نے کسی مشاعرے میں شرکت کی اور اس میں "ہمہ عالم" کو "ہمہ عالم" (اضافت کے بغیر) پڑھا۔ اس پر سامعین نے اعتراض کیا۔ اور یہیں سے ہی آہستہ آہستہ ان کی مخالفت شروع ہو گئی۔ گویا غالب کی شاعری پر اعتراضات کا آغاز ان فارسی داں حضرات کی طرف سے ہوا جو اس وقت کلکتے میں مقیم تھے۔

"بیش" را "بیشتر" کہ گفت بہ من
بد زمن پیشتر کہ گفت بہ من

بیش: زیادہ۔ بیشتر: زیادہ تر۔

"بیش" کو "بیشتر" مجھ سے کس نے کہا؟۔ مجھے برا میرے سامنے پہلے کس نے کہا؟۔

توضیح: اس شعر کا مضمون اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ میرزا غالب نے اپنے کسی شعر میں لفظ "بیش" استعمال کیا ہو گا۔ حاضرین میں سے کسی نے اصلاح کی غرض سے کہا ہو گا کہ یہاں لفظ "بیشتر" مناسب ہے۔ اس پر شاید میرزا غالب برہم ہو گئے، کچھ میرزا غالب اہالی کلکتہ سے دریافت کر رہے ہیں کہ ان شدید اعتراضات کا آغاز کس کی طرف سے ہوا۔

"موے" را "برکمر" کہ گفت غلط
شعر را سربہ سر کہ گفت غلط

"بال" کو "کمر پر" کس نے غلط بتایا۔ شعر کو سر تا سر غلط کس نے کہا۔

توضیح: قیاس ہے کہ غالبؔ نے کسی شعر میں "کمر" کے لیے ترکیب "موے بر کمر" وضع کی ہوگی۔ جس پر سامعین نے اعتراض کیا مگر معترضین شاید یہ نکتہ نہیں جانتے تھے کہ فارسی میں مودبانہ گفتگو کرتے وقت بعض الفاظ بدل دیے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہنا چاہے کہ میں "شکم سیر ہو گیا" تو وہ کہے گا: "دلم سیر شد" کیوں کہ لفظ "شکم" حاملہ خواتین کے لیے مخصوص ہے۔ اسی طرح انسانی جسم میں "کولہوں" کا ذکر بھی غیر مودب سمجھا جاتا ہے۔ چناں چہ انھیں بھی اصطلاحاً کمر ہی میں شامل کہا جاتا ہے۔

تا بشوریده دل زبیے جگری
به فغاں آمدم ز خیره سری

تا: تک، یہاں تک۔ بشوریدہ: (از مصدر شوریدن: آشفتہ ہونا، پریشان ہونا)۔ بے جگری بے باکی۔ خیرہ سری: حماقت، ہٹ دھرمی۔

تمھاری بے باکی سے دل اس حد تک آشفتہ و پریشان ہو گیا کہ میں تمھاری گستاخی پر واویلا کرنے لگا۔

گله مندانه گفتگو کردن
پاره اے درسخن غلو کردم

گلہ مندانہ: پرشکوہ و شکایت۔ پارہ اے: قلیل، تھوڑا سا۔ غلو: حد سے تجاوز، کلام میں اس قدر مبالغہ کہ وہ عملاً ممکن نہ ہو۔

(چناں چہ) میں نے بھی گلہ مندانہ (پرشکوہ و شکایت) گفتگو (شروع) کر دی۔ (اور) اپنے کلام میں کچھ حد تک مبالغہ آرائی سے کام لیا۔

چوں شنیدم کہ نکتہ پردازاں
قدر دانان و انجمن سازاں

نکتہ نکتہ پردازاں جمع نکتہ پرداز سخن سنج، سخن شناس۔ انجمن سازاں. جمع انجمن ساز بزم ادب کی تشکیل کرنے والے۔

جب میں نے سنا کہ سخن شناس، کلام کے قدر دان اور بزم (ادب) تشکیل کرنے والے حضرات۔

از من آزردہ اند زاں پاسخ
بہ نیایش بہ خاک سودم رُخ

آزردہ: رنجیدہ۔ پاسخ جواب۔ نیایش ستایش، پرستش۔ سودم: (از مصدر سودن. گھسنا، رگڑنا) میں نے گھسا۔

اس (دنداں شکن) جواب کی وجہ سے رنجیدہ ہیں تو میں نے ان کی خوشنودی کی خاطر اپنا چہرہ زمین پر ملا۔

نہ ز آویزشِ بیاں ترسم
من و ایمانِ من کزاں ترسم

آویزش: (حاصل مصدر از آویختن: جھگڑا کرنا) چپقلش۔ بیاں. کلام۔ ترسم: (از مصدر ترسیدن) ڈرتا ہوں۔

میں کسی کے کلام کے پرخاش سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ (البتہ) میں خود سے اور اپنے ایمان سے ڈرتا ہوں۔

کہ پس از من بہ سال ہائے دراز
بہ زباں ماند ایں حکایت باز

کہ: کیوں کہ: اس لیے کہ۔ پس از من: میرے بعد میرے مرنے کے بعد۔ ماند: (از مصدر ماندن: رہنا) رہے گی، باقی رہے گی۔

کیوں کہ میرے بعد کافی عرصے تک (سالہاسال تک) یہ طویل داستان (لوگوں کی) زبان پر رہے گی۔

که سفیهے رسیده بود ایں جا
چند روز آرمیده بود ایں جا

سفیهہ: بے وقوف، ناداں، بے عقل۔ رسیده بود: آتا تھا، پہنچا تھا۔ آرمیده بود. آرام کیا تھا۔

کہ ایک نادان (شخص) یہاں آیا تھا۔ (اور) چند روز اس نے راحت و اطمینان سے یہاں گذارے۔

بابزرگاں ستیزه پیش گرفت
زحمتے داد و راهِ خویش گرفت

بزرگاں: جمع بزرگ: سر برآوردہ شخص، ممتاز آدمی۔ ستیزه. آویزش، پرخاش، جھگڑا۔ پیش گرفت: (از مصدر گرفتن) اختیار کیا۔ زحمت. تکلیف، پریشانی۔ راہ خویش گرفت اپنی راہ لی۔

(اس کے بعد) اس نے یہاں کے سر برآوردہ اشخاص کے ساتھ مناقشہ شروع کر دیا۔ (اور) انہیں) بہت زیادہ کوفت و تکلیف دینے کے بعد اپنی راہ لی۔

شوخ چشمے وزشت خوئے بود
بے حیائے و ہرزہ گوئے بود

شوخ چشم: گستاخ، بے ادب۔ زشت خوئے: بدخو، بدمزاج، بے حیا، بے شرم۔ ہرزہ گوئے. بکواس کرنے والا، بدکلام۔

وہ ایک گستاخ، بدمزاج، بے حیا اور بدکلام شخص تھا۔

برگ دنیا، نه سازِ دینش بود
ننگِ دہلی و سرزمینش بود

برگ دنیا: دنیا کا ساز و سامان۔ ساز دین: دین کا سامان، سامان آخرت۔ دینش: اس کا دین، اس کا

مذہب۔

اس کے پاس نہ دنیا کا ساز و سامان تھا اور نہ ہی توشۂ آخرت۔ وہ شہر دہلی اور اس سرزمین کے لیے باعث شرم و عار تھا۔

آہ از آں دم کہ بعدِ رفتنِ من
خونِ دہلی بود بہ گردنِ من

آہ: افسوس۔ دم: لمحہ۔

حیف اس لمحے پر کہ میرے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد۔ دہلی کا خون میری گردن پر ہو۔

ویں کہ در پیشگاہِ بزمِ سخن
بہ زباں ہا فتادہ است زمن

ویں کہ: واین کہ: اور یہ کہ۔ پیشگاہ: صدر مجلس کی نشستگاہ، صدر مقام مجلس، وہ چبوترہ جو صدر دالان کے سامنے ہو، وہ کرسی جو بادشاہ کے تخت کے سامنے رکھی جائے۔ بہ زبانہا فتادہ است: یہ (بات) زبانوں پر جاری ہے، اس کا ہر جگہ چرچا ہے۔

اور یہ کہ بزم سخن کی مسند صدارت کے سامنے لوگوں کی زبانوں پر یہ بات جاری ہے۔

کہ فلاں با قتیل نیکو نیست
مگسِ خوانِ نعمتِ اونیست

فلاں: نامعلوم شخص کی طرف اشارہ۔ قتیل: اشارہ ہے میرزا محمد حسین متخلص بہ قتیل کی جانب۔ نیکو: سازگار۔ مگس: مکھی۔ خوانِ نعمت: وہ دستر خوان جس پر لذیذ کھانے بکثرت چنے گئے ہوں۔

کہ فلاں شخص (میرزا غالبؔ) میرزا قتیل سے متفق و سازگار نہیں۔ اور اس کے خوان نعمت پر وہ مکھی کی طرح نہیں ہے۔

زلّہ بردارِ کس چرا باشم
من ہُما یم مگس چرا باشم

وہ بچا ہوا کھانا جسے نادار لوگ اپنے ساتھ گھر لے آتے ہیں۔ زلہ بردار: وہ شخص جو کسی دعوت میں اور بچا ہوا کھانا اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ ہُمایم: میں ہما ہوں۔

یسا ندیدہ شخص کیوں بنوں جو کسی کے دستر خوان سے جھوٹا اٹھاتا پھروں۔ میں تو ہما ہوں بن کر کیوں رہوں۔

اے تماشائیانِ ژرف نگاہ
ہاں! بگوئید حسبةً للہ

سائیان: جمع تماشائی: کسی چیز کو غور سے دیکھنے والا۔ ژرف نگاہ: گہری نظر رکھنے والا، عمیق نظر۔ یہ لفظ تنبیہ یا تاکید کے لیے آتا ہے۔ حسبةً للہ: اللہ اجر دے۔ خالص اللہ کے لیے۔

عمیق نظر تماشا دیکھنے والو ذرا تم ہی خدا کے لیے کہو۔

دامن از کفِ کنم چگونہ رہا
طالبؔ و عرفیؔ و نظیریؔ را

ن رہا کردن: کسی کا دامن چھوڑنا۔ طالب: مراد طالب آملی جو جہانگیر کے دربار کا ملک الشعراء
عرفی: محمد نام، جمال الدین لقب، دورِ اکبری کا شاعر تھا اور عبدالرحیم خانخاناں کے دربار سے وابستہ
نظیری: محمد حسین نام، نیشاپور وطن، دورِ اکبری، جہانگیری کا مشہور شاعر تھا۔

طالب (آملی)، عرفی (شیرازی) اور نظیری (نیشاپوری) کا دامن اپنے ہاتھ سے کیسے ڑوں۔

خاصہ روحِ و روانِ معنی را
آں ظہوریؔ جہانِ معنی را

ن: روح (فارسی لفظ "رواں" عربی لفظ "روح" کے مترادف ہے) روانِ معنی: روحِ معنی، معنی کی ، جانِ کلام۔ آں: وہ، یہاں ضمیر "آں" اظہار عظمت و شان کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ جہانِ ن: معنی کا عالم عظیم۔

ں طور پر معنویت کی روح و رواں اس (عظیم الشان شاعر) ظہوری (ترشیزی کو جو بذات

خود) عالم معنی ہے۔

فتنۂ گفتگوے اینانم

مستِ لاے سبوے اینانم

فتنہ: فریفتہ، مفتون۔ گفتگو: کلام، شعری مجموعہ۔ اینانم (اینان: جمع این) ان (سب) کا ہوں۔
لاے: درد، تلچھٹ، گاد۔ سبو: مٹی کا گھڑا، دستے دار صراحی۔

میں ان کے کلام پر فریفتہ ہوں (اور) ان کے سبو کی گاد سے مست ہوں۔

آں کہ طے کردہ ایں مواقف را

چہ شناسد قتیلؔ و واقفؔ را

مواقف: جمع موقف: منزل گاہ۔ شناسد: (از مصدر شناختن) پہچانتا۔ قتیل دلوائی سنگھ کھتری، متخلص بہ قتیلؔ فرید آبادی، دین اسلام قبول کرنے کے بعد محمد حسن نام اختیار کیا۔ واقف شیخ نور العین متخلص بہ واقفؔ۔

جو شخص یہ منازل طے کر چکا ہے وہ قتیلؔ اور واقفؔ (جیسے شاعروں) کو کیا گردانتا ہے۔

لیک با آں ہمہ کہ ایں دارم

گنجِ معنی در آستیں دارم

لیک: مخفف: لیکن۔ با آں ہمہ اس کے باوجود۔ کہ ایں دارم: جو کچھ میرے پاس موجود ہے۔
گنجِ معنی: خزانۂ شعر و سخن۔

لیکن اس کے باوجود جو کچھ بھی میرے پاس ہے وہ گنجِ معنی ہے اور میری آستین میں (ہر وقت) موجود ہے۔

دل و جانم فداے احباب است

شوق وقفِ رضائے احباب است

احباب: جمع حبیب: مخلص دوست۔

میرے دل و جاں دوستوں پر فدا ہیں۔ شوق (سخنوری) ان کی خوشنودی کے لیے وقف ہے۔

می شوم خویش رابه صلح دلیل
می سرایم نوای مدح قتیل

صلح: آشتی، موافقت۔ دلیل: راہنما، راہبر۔ سرایم: (از مصدر سرودن: گیت گانا) گاؤں گا۔

میں (اب) خود صلح و آشتی کا پیرو کار ہوتا ہوں۔ اور قتیل (شاعر) کی تعریف میں شعر ترنم سے پڑھتا ہوں۔

تانه ماند ند ز من دگر گله اے
رسد از پیروانِ وے صله اے

نه ماند: (از مصدر ماندن: رہنا) نہ رہے، باقی نہ رہے۔ دگر: پھر اس کے بعد۔ گله اے: کوئی شکوہ، کوئی شکایت۔ رسد: (از مصدر رسیدن) پہنچے، ملے، حاصل ہو۔ پیروان: جمع پیرو، پیچھے چلنے والے۔ صله اے: کوئی انعام، کوئی بدلہ۔

تاکہ اس کے بعد مجھ سے کسی کو کوئی شکوہ نہ رہے۔ (اور اس کے جو پیرو کار (شاگرد) ہیں ان سے مجھے کچھ انعام ملے۔

گفتن آئینِ ہوشیاری نیست
لیك دانستن اختیاری نیست

گفتن: کہنا۔ آیین: طور، طریقہ، رویہ۔ دانستن: جاننا۔

(بات برملا) کہنا ہوشیاری کا شیوہ نہیں۔ لیکن (کسی علم کا) جاننا بھی اختیاری نہیں ہے۔

گرچه ایرانیش نه خواہم گفت
سعدیِ ثانیش نه خواہم گفت

ایرانیش: ایرانی اش۔ ثانیش: ثانی اش۔ نه خواہم گفت: نہیں کہوں گا۔

اگرچہ میں اسے ایرانی نہیں کہوں گا۔ (اور) سعدی ثانی بھی نہیں۔